ملک صفدر حیات (سیریز نمبر 03)

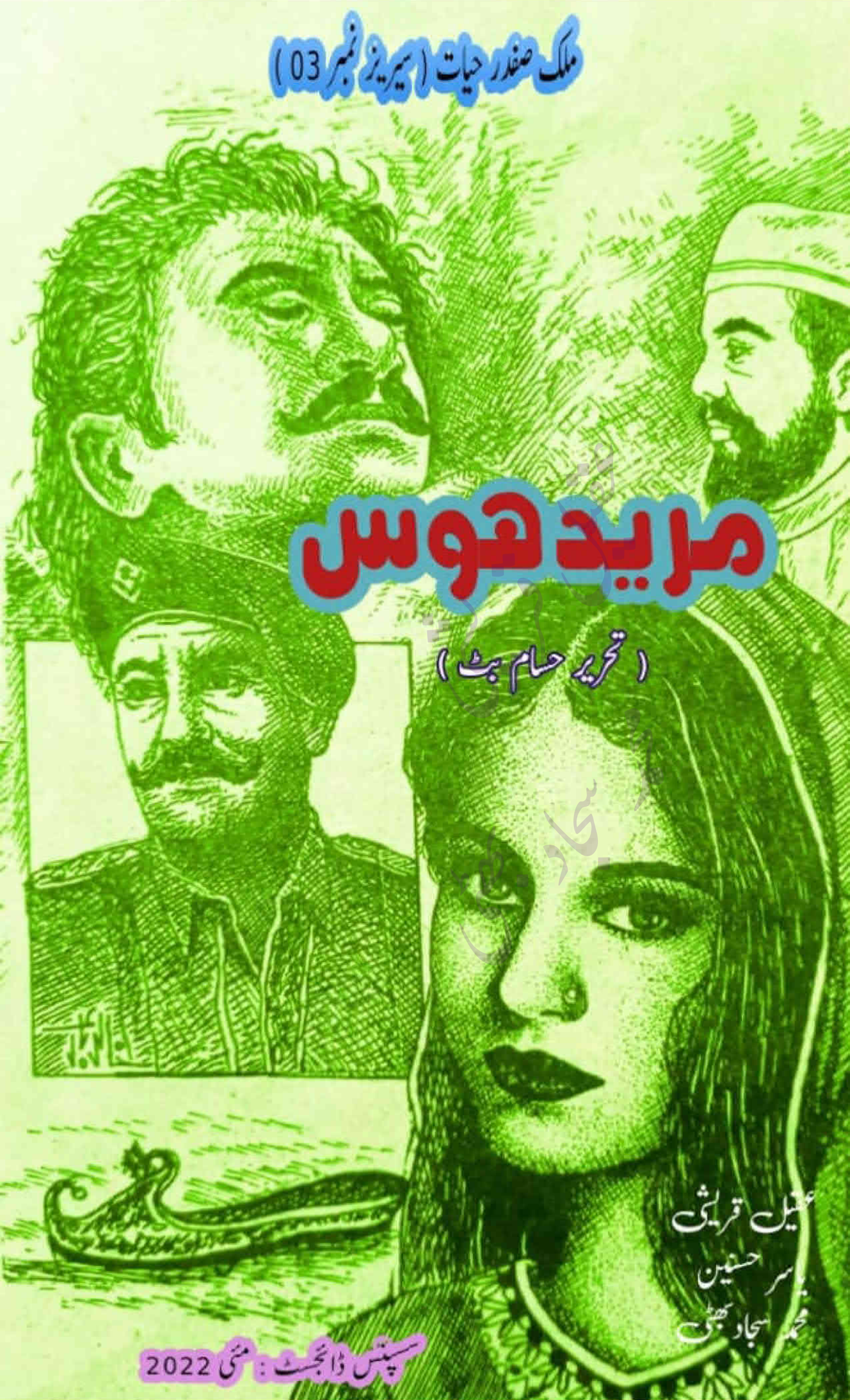

مرید ہوس

(تحریر حسام بٹ)

عقیل قریشی
ناصر حسنین
محمد سجاد بھٹی

سسپنس ڈائجسٹ : مئی 2022

مریدِ ہوس

ملک صفدر حیات

انسان کبھی اپنی ہوس اور کبھی لالچ و طمع کے ہاتھوں یوں ہی خوار ہوتا ہے کہ اپنی پستی بھی بڑی اونچائی پر محسوس ہوتی ہے مگر فریبِ نظر اس حقیقت کو سمجھنے کا موقع ہی نہیں دیتی... وہ بھی ایک ایسا ہی بھوکا انسان تھا جسے اپنی بھوک مٹانے کے لیے نہ تو کسی کے عروسی لمحات کا خیال تھا اور نہ ہی کسی کی جان لینے کا ادراک... لیکن قدرت اس کی سفاکی پر کیسے خاموش رہ سکتی تھی... البتہ قدرت کا انتقام لینے کا اپنا ایک الگ طریقہ ہوتا ہے جسے سمجھنا شاید کسی انسان کے بس کی بات نہیں... رفتہ رفتہ ایسا پھندا تیار ہوتا ہے جس میں مجرم خود چل کر قید ہو جاتا ہے... یہ اور بات کہ ملک صفدر جیسے جی دار قدرت کی کارروائیوں میں بہترین معاون ثابت ہوتے ہیں۔

ایک معصوم انسان کے قتل کی لرزہ خیز داستان

کا عبرت اثر احوال

تھانہ اگرچہ نیا تھا تاہم کام وہی پرانا..... صبح و شام جرائم پیشہ افراد سے واسطہ۔ چوروں، ڈکیتوں اور قاتلوں کی سرکوبی کے لیے افراتفری اور بھاگم بھاگ۔ پکڑ دھکڑ اور جکڑ کا عمل جاری۔ ہتھکڑی، حوالات، کڑی تفتیش، پرچہ، ریمانڈ، چالان، عدالت کے چکر..... وغیرہ ہم!

گلابی جاڑا اپنا رنگ دکھا رہا تھا۔ دن خوشگوار اور رات اپنے دامن میں ریشمی ٹھنڈک لیے اترتی تھی۔ ماہِ اکتوبر کا اختتام چل رہا تھا۔ ایک سہانی صبح میں تھانے میں بیشمار روزمرہ کے کام نمٹا رہا تھا کہ ساتھ والے گاؤں سے چند لوگ مجھ سے ملنے آئے۔ اپنے ساتھ وہ ایک سنسنی خیز اور عجیب و غریب خبر بھی لائے تھے۔ میں نے فوراً انہیں اپنے کمرے میں بلا لیا۔

وہ تعداد میں تین تھے اور ان کا تعلق موضع فرید آباد سے تھا۔ مذکورہ گاؤں میرے تھانے سے مشرقی سمت میں محض ایک میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ ان تینوں کے چہروں سے حد درجہ پریشانی ٹپکتی تھی۔ میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور قدرے تیز آواز میں استفسار کیا۔

''کیا مسئلہ ہے بھئی؟ تم لوگوں کے رنگ کیوں اڑے ہوئے ہیں؟ کیا تم نے کوئی جن بھوت دیکھ لیا ہے؟''

میرے سوال پر انہوں نے الجھن زدہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا پھر ان میں سے ایک نے حیرت بھرے لہجے میں مجھ سے پوچھا۔ ''تو آپ کو پہلے سے پتا ہے؟''

''کس چیز کا پتا بھئی؟'' میں نے چونکے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔

''جن والی بات کا جی!'' ایک نے سہمے ہوئے انداز میں کہا۔

''میں نے تو تم لوگوں کے چہرے کے تاثرات سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''تم سب کے ہوش اڑے ہوئے اور اوسان خطا ہیں۔ کیا واقعی کسی جن سے تمہارا سامنا ہوگیا ہے؟''

''ہمارا نہیں جناب..... تھیلے کا سامنا ہوا ہے۔'' ان میں سے ایک نے سراسیمہ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بتایا۔

''اور اس ظالم جن نے تھیلے کو ختم کردیا ہے تھانیدار صاحب!''

''ہم اسی واقعے کے بارے میں آپ کو اطلاع دینے آئے ہیں۔'' دوسرے نے اضطراری انداز میں کہا۔

تیسرا بولا۔ ''بے چارہ تھیلا..... کل ہی تو اس کی شادی ہوئی تھی۔ اپنی سہاگ رات منانے کے بجائے وہ موت کے منہ میں چلا گیا۔ جن نے اس کی گردن کا منکا توڑ ڈالا ہے تھانیدار جی! بیاہ والے گھر میں ماتم ہو رہا ہے۔''

''یہ تم لوگ کیا بکواس کر رہے ہو؟'' میں نے سخت لہجے میں پوچھا۔

''ہم بالکل سچ کہہ رہے ہیں جناب!'' ایک نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ''اگر آپ کو ہماری بات کا یقین نہیں آرہا تو چل کر خود دیکھ لیں، تھیلے کی گردن ٹوٹی لاش کو.....!''

''یہ تھیلا کون ہے؟'' بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔

''ہم مرنے والے دُلہا کی بات کر رہے ہیں سرکار!'' مجھے بتایا گیا۔ ''اس کا اصل نام تو طفیل ہے لیکن سب اسے ''تھیلا'' کہتے ہیں۔ تھیلا ورقاں والا۔ وہ لوگ چاندی کے ورق کوٹنے کا کام کرتے ہیں۔''

اطلاع کنندگان نے مجھے ایسی ناقابلِ یقین اور تحیر آمیز کہانی سنائی تھی کہ میں نے کانسٹیبل یاسر کو اپنے ساتھ لیا اور جائے وقوعہ کی جانب روانہ ہوگیا۔ ایسے معاملات میں تاخیر کی گنجائش نہیں ہوتی۔

☆☆☆

میری پیشہ ورانہ زندگی ہر نوعیت کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ دورانِ تفتیش میں بعض کیسز کے حوالے سے یہ بھی سننے میں آیا کہ یہ کسی جن، بھوت یا چڑیل کا کیا دھرا ہے لیکن سچی بات یہ ہے کہ مجھے کسی بھی کیس میں ایسی چیزوں کا کہیں بھی عمل دخل نظر نہیں آیا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میرا تجربہ اور مشاہدہ محدود ہو۔ انسان ساری زندگی سیکھتا رہتا ہے۔ ایسے ہر پُراسرار واقعے کے پیچھے مجھے تو ایک شاطر مجرم ہی چھپا ملا تھا۔ بہرحال، دیکھنا یہ تھا کہ یہاں کیا معاملہ ہے۔

جیسا کہ میں نے ابتدا میں بتایا کہ موضع فرید آباد میرے تھانے سے محض ایک میل کی دوری پر مشرق میں واقع تھا۔ یہ ایک متوسط گاؤں تھا جس کی آبادی لگ بھگ پانچ سو نفوس پر مشتمل تھی۔ یعنی کم و بیش سوا سو مکانات کا دیہات۔ میں راستے بھر متوفی دُلہا کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ مبینہ طور پر کسی شریر جن نے جس کی گردن کا کڑاکا نکال کر اس بدنصیب کو موت کے منہ میں دھکیل دیا تھا اور وہ بھی شبِ زفاف میں۔

ہمارا تانگا جلد ہی فرید آباد پہنچ گیا۔ شفیق ورقاں والے کا گھر گاؤں کی ایک گلی کے آخری کنارے پر واقع تھا۔ طفیل عرف تھیلا اسی شفیق کا بیٹا تھا۔ وہ لوگ چاندی کے ورق کوٹنے کا کام کرتے تھے اسی لیے گاؤں میں ''ورقاں والے'' مشہور تھے۔ آپ سب نے مٹھائی اور مختلف حلواجات پر چاندی کے باریک ورق لگے دیکھے ہوں گے۔ چاندی کی ننھی منی پتری نما ڈلیوں کو چوبی ہتھوڑے سے کوٹ کوٹ کر ایسی پتلی اور باریک شکل میں ڈھالا جاتا ہے۔ یہ خاصا محنت طلب کام ہے۔

مجھے اس کمرے میں پہنچا دیا گیا جہاں طفیل کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ مذکورہ کمرے میں آمد و شد کے دو راستے تھے۔ ایک دروازہ گھر کے اندرونی حصے یعنی برآمدے کی جانب سے تھا اور دوسرا دروازہ باہر کی جانب تھا۔ یہ مکان چونکہ گلی کے آخر میں واقع تھا لہٰذا متوفی کے کمرے کا جو دروازہ باہر کی طرف کھلتا تھا، اس کے آگے کھیت تھے۔ طفیل عرف تھیلا کی لاش ایک چارپائی کے اوپر پڑی تھی۔ میں رکوع کے بل جھک کر لاش کا جائزہ لینے لگا۔

طفیل کی عمر بیس اور پچیس کے درمیان رہی ہوگی۔ وہ فربہ بدن کا مالک ایک پستہ قامت شخص تھا۔ اس کا قد میرے محتاط اندازے کے مطابق پانچ فٹ دو انچ رہا ہوگا۔ وہ اس وقت تہ بند اور کُرتے میں ملبوس تھا اور اس کی صحت مند گردن ایک جانب کو مڑی ہوئی تھی۔ اس امر میں قطعاً کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں تھی کہ طفیل کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرچکی تھی۔ میں نے متوفی کے جسم کے مختلف حصوں کا بھی معائنہ کیا لیکن مجھے کہیں بھی کوئی چوٹ یا زخم کا نشان دکھائی نہ دیا۔ مجھے اس نتیجے پر پہنچنے میں کسی دقت کا سامنا نہیں ہوا کہ طفیل کی موت اس کی گردن کا منکا ٹوٹنے سے واقع ہوئی تھی۔ وہ زندگی بھر چاندی کے ورق کوٹتا آیا تھا۔ پتا نہیں کس بے زبان نقرئی ورق کی آہ نے اس کے

جیون کا چراغ بجھا دیا تھا۔

کمرے میں کل دو چارپائیاں تھیں۔ ایک تو وہی جس پر طفیل مُردہ حالت میں گردن ایک طرف ڈھلکائے بے حس و حرکت پڑا تھا اور دوسری چارپائی درحقیقت ایک رانگلا (رنگین پایوں والا) پلنگ تھا۔ اس پلنگ پر طفیل مرحوم کی دلہن کے لیے سیج بھی سجائی گئی تھی۔ میں نے طفیل کی لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کے باپ سے استفسار کیا۔

''کیا تمہارا بیٹا اسی چارپائی پر مُردہ پایا گیا تھا؟''

شفیق احمد میرے نزدیک ہی کھڑا تھا۔ اس نے غمزدہ لہجے میں میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرش کی جانب اشارہ کرکے بتایا۔ ''تھیلا وہاں پڑا تھا جی..... بعد میں اسے اٹھا کر چارپائی پر ڈالا گیا ہے۔''

''تھانے آنے والے بندوں نے مجھے بتایا ہے کہ کسی جن نے تمہارے بیٹے کی جان لی ہے۔'' میں نے شفیق کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا تم بھی ایسا ہی سمجھتے ہو؟''

''میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھانیدار صاحب!'' وہ روہانسی آواز میں بولا۔ ''اس کمرے میں صرف تھیلا اور اس کی نئی نویلی دلہن ہی تھی۔ مونا بھلا تھیلا کی گردن کیسے توڑ سکتی ہے۔''

''مونا.....؟'' میں نے سوالیہ نظر سے شفیق کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ''تمہارا مطلب ہے طفیل کی دلہن؟''

''جی۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''میری بہو کا نام میمونہ ہے مگر سب اسے مونا کہتے ہیں۔''

میں کمرے کے اس دروازے کے پاس پہنچا جو کھیتوں والی سمت میں تھا۔ مذکورہ دروازے کو کھول کر میں نے دور تک نظر دوڑائی۔ تاحدِ نگاہ مجھے کھیت ہی کھیت دکھائی دیے۔ میں دروازہ بند کرکے واپس شفیق کے پاس آیا اور ٹٹولنے والے انداز میں پوچھا۔

''تم نے مجھے بتایا ہے کہ گزشتہ رات اس کمرے میں مونا اور طفیل کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ تمہارا یہ بھی کہنا ہے کہ مونا، طفیل کی گردن نہیں توڑ سکتی لیکن تمہارے بیٹے کی موت گردن کا منکا ٹوٹنے ہی سے واقع ہوئی ہے۔ جب کوئی تیسرا یہاں موجود ہی نہیں تھا تو پھر طفیل کو کس نے موت کے گھاٹ اتارا؟''

میرے تیز استفسار کے جواب میں وہ جلدی سے بولا۔ ''اس سے تو جناب یہی لگتا ہے کہ تھیلا کی موت کا ذمے دار کوئی خبیث جن ہی ہے۔ اس شریر ہوائی مخلوق کو کھڑکیوں اور دروازوں سے گزرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔''

''میری بات دھیان سے سنو شفیق!'' میں نے سچائی تک رسائی حاصل کرنے کی غرض سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ٹھوس انداز میں کہا۔ ''میں جن، پری، بھوت پریت اور چڑیلوں وغیرہ کے واقعات کو قصے کہانیوں سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتا۔ اگر تمہارا یقین اس بات پر ہے کہ طفیل کی جان کسی جن نے لی ہے تو مجھے بتاؤ اس جن کی طفیل سے کیا دشمنی تھی؟ آخر تمہارے بیٹے نے اس شیطان جن کا کیا بگاڑا تھا؟''

''میں بتاتی ہوں آپ کو تھانیدار صاحب!'' ایک نسوانی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

میں نے ایک جھٹکے سے پلٹ کر پیچھے دیکھا تو کمرے کے اندرونی دروازے میں مجھے ایک عورت کھڑی نظر آئی۔ شفیق نے مذکورہ عورت سے مخاطب ہوتے ہوئے برہمی بھرے انداز میں کہا۔

''رحمتے! میں بات کررہا ہوں نا۔ تم جاؤ دوسرے کمرے میں۔ وہاں مونا اکیلی بیٹھی ہوئی ہے۔''

''اس منحوس کو کیا ہونا ہے۔'' رحمت بی بی عرف رحمتے ہاتھ نچا کر عجیب سے لہجے میں بولی۔ ''اس کا جن تو اپنا کام کرکے چلا گیا۔ میرا جوان بیٹا قربانی کے بکرے کی طرح اپنی جان سے گیا۔ ہائے، میں کس سے فریاد کروں؟''

شفیق کی گھر والی رحمت بی بی نے اپنے بیان میں چند ایسی باتیں کی تھیں جس نے مجھے چونکنے اور سوچنے پر مجبور کردیا۔ منحوس مونا، مونا کا جن، قربانی کا بکرا طفیل..... وغیرہ وغیرہ!

''میں ہوں نا تمہاری فریاد سننے والا۔'' میں نے رحمت بی بی کی طرف دیکھتے ہوئے ہمدردی بھرے لہجے میں کہا۔ ''مجھے اندازہ ہورہا ہے کہ تم طفیل کی پراسرار موت کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہو۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟''

''جی!'' وہ گردن کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے بولی۔ ''مگر کسی کو میری بات کا یقین ہی نہیں آتا۔''

''اگر تمہاری کہانی میں مجھے کوئی ٹھوس حقیقت نظر آئی تو میں اس پر ضرور یقین کروں گا۔'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''میں اس کمرے کے معاملات کو نمٹا لوں پھر تم سے تفصیلی بات کرتا ہوں۔''

وہ ''جی ٹھیک ہے'' کہتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

''تھانیدار صاحب.....!'' رحمتے کے جانے کے بعد شفیق نے رازدارانہ انداز میں کہا۔ ''مونا کے گاؤں میں ایک بات مشہور ہے کہ اس پر کوئی جن عاشق ہے۔ رحمتے کا اشارہ اسی جن کی طرف ہے۔ یہ تھیلا کی مونا سے شادی کے

لیے راضی نہیں تھی۔ اسی لیے وہ سارا الزام مونا پر ڈال رہی ہے۔ اس کے خیال میں جو جن مونا پر عاشق ہے، اسی نے تھیلا کی جان لی ہے۔''

''جب مونا کے عاشق جن والی کہانی سے تم لوگ واقف تھے تو پھر طفیل کی شادی وہاں کی ہی کیوں؟'' میں نے سوال کیا۔

''یہ شادی میری ضد کی وجہ سے ہوئی تھی تھانیدار صاحب!'' وہ ندامت بھرے لہجے میں بولا۔ ''اور اس کے دو بڑے اسباب تھے۔''

''میں وہ اسباب جاننا چاہوں گا۔''

''مونا کے باپ اکرام اللہ سے میرے دوستانہ تعلقات ہیں۔'' اس نے بتایا۔ ''وہ شدید بیمار ہے۔ اس کے جگر نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ ایک سال پہلے مونا کی ماں شاہدہ کا انتقال ہوگیا تھا اور اس کی موت کا سبب بھی خرابیٔ جگر ہی تھا۔ مونا کا کوئی بھائی یا بہن نہیں ہے۔ وہ بیماری کی وجہ سے اپنی زندگی کی امید چھوڑ بیٹھا ہے۔ اس نے آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ مجھ سے منت کی تھی کہ میں اس کی اکلوتی بیٹی مونا کو اپنے گھر کی بہو بنالوں۔ میرا تھیلا شادی کے قابل ہو چکا تھا۔ میں اکرام اللہ کی دم توڑتی ہوئی خواہش کو رد نہ کرسکا۔ یہ تو ہے پہلا سبب اس شادی کا تھانیدار صاحب!'' لمحاتی توقف کرکے اس نے ایک بوجھل سانس خارج کی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''اور دوسرا سبب یہ ہے کہ مجھے مونا کے جن والی کہانی پر یقین نہیں آیا تھا لیکن.....'' اس نے ایک جھرجھری لی پھر سراسیمہ لہجے میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ''پچھلی رات اس کمرے میں جو اندوہناک واقعہ پیش آیا ہے، اس سے تو یہی لگتا ہے کہ میں غلط تھا۔ مونا کے ساتھ واقعی جن والا معاملہ ہے۔''

مئی میں تو یہی آئی کہ ایسی سوچ رکھنے کے لیے میں شفیق کی عقل پہ ماتم کروں مگر ایسا موقع نہیں تھا۔ وہ بے چارہ خود اپنے جوان بیٹے کی لرزہ خیز موت پر ماتم کناں تھا۔ میں نے رسان بھرے لہجے میں پوچھا۔

''تم لوگوں کو کب اور کیسے پتا چلا کہ طفیل کے ساتھ کوئی جان لیوا حادثہ پیش آگیا ہے؟''

''وہ آدھی رات کے بعد کا وقت تھا تھانیدار صاحب!'' شفیق احمد نے بھرائی ہوئی آواز میں بتایا۔ ''میں، رحمتے اور زرینہ دوسرے کمرے میں سو رہے تھے۔ اچانک ایک چیخ نے ہماری نیند کو تار تار کردیا۔ وہ چیخ برابر والے کمرے سے آئی تھی جہاں تھیلا اور مونا اپنی ازدواجی زندگی کا آغاز کرنے والے تھے۔ یہ انتظام بھی اسی کمرے سے ''

اس نے ذرا دیر کو رک کر مجھے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے اندازہ لگانے کی کوشش کررہا ہو کہ اس کی بات میرے پلے پڑی یا نہیں۔ میں نے سر کی اثباتی جنبش کے ساتھ کہا۔

''ہاں، ہاں..... میں سمجھ رہا ہوں۔ تم اپنا بیان جاری رکھو۔''

''میری تیرہ سالہ بیٹی زرینہ نے کہا، یہ تو بھابی مونا کی چیخ ہے۔'' وہ اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''رحمتے نے بھی زرینہ کے اندازے کی تصدیق کی پھر ہم تینوں نے اپنے کمرے سے نکل کر تھیلا اور مونا والے کمرے کا دروازہ پیٹ ڈالا۔ مونا نے دروازے کی کنڈی کھولی اور فرش کی جانب اشارہ کرتے ہوئے گھبرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''پتا نہیں، تھیلا کو کیا ہوگیا ہے..... یہ اچھل کر بستر سے نیچے جا گرا ہے اور..... اور..... کچھ بول بھی نہیں رہا..... خدا جانے اسے کیا ہوا ہے.....؟''

''ٹھیک ہے شفیق! میں مونا اور تمہاری گھر والی سے پوچھ تاچھ کرنے کے بعد تم سے دوبارہ بات کروں گا۔'' میں نے رسان بھرے انداز میں کہا۔ ''مجھے بتاؤ، پچھلی رات سے لے کر اب تک اس کمرے میں کتنے لوگ آچکے ہیں؟''

میرا یہ سوال آسانی سے اس کی سمجھ میں نہ بیٹھا تو میں نے وضاحت کردی۔ وہ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔

''مونا اور تھیلا تو پہلے سے اس کمرے میں موجود تھے۔ جب ہم نے مونا کے چیخنے کی آواز سنی تو میں اور رحمتے کمرے کے دروازے پر پہنچے تھے۔ مونا نے ہماری زوردار دستک پر دروازہ کھولا تو ہم دونوں کمرے میں داخل ہوئے تھے۔''

''اور تمہاری بیٹی زرینہ؟'' میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔ ''تھوڑی دیر پہلے تم نے مجھے بتایا ہے کہ اس کمرے سے ابھرنے والی چیخ کو سن کر تم تینوں نے اپنے کمرے سے نکل کر اس کمرے کا دروازہ پیٹ ڈالا تھا؟''

''بے شک ہم تینوں ہی اس دروازے پر پہنچے تھے۔'' وہ جائے وقوعہ والے کمرے کے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ''لیکن زرینہ کو ہم نے کمرے میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ مونا اور تھیلا کس حالت میں ہوں گے۔ ان کے بدن پر لباس بھی ہوگا یا ''

''بس ٹھیک ہے۔ میں تمہاری بات اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔'' اس کی وضاحت مکمل ہونے سے پہلے ہی میں بول اٹھا۔ ''مجھے بتاؤ تم میاں بیوی کے علاوہ اور کون اس کمرے میں آیا تھا؟''

''اور.....'' وہ پُرسوچ انداز میں بولا۔ ''ہمارے دائیں اور بائیں والے پڑوسی، جنہوں نے تھیلا کی لاش کو فرش سے اٹھا کر چارپائی پر ڈالا تھا یا پھر..... آپ دونوں آئے ہیں ابھی۔''

شفیق سے پوچھ تاچھ کے دوران میں، میں نے اپنی جیب کے اندر سے ڈائری اور قلم نکال لیا تھا اور ضروری نکات نوٹ کرتا جا رہا تھا۔ شفیق خاموش ہوا تو میں نے پوچھا۔

''تم نے جن دو پڑوسیوں کا ذکر کیا، ان کے نام کیا ہیں؟''

''غلام حسین اور لیاقت علی۔'' اس نے جواب دیا۔ ''جو تین بندے آپ کو اس سانحے کی اطلاع دینے تھانے گئے تھے ان میں دو یہی پڑوسی تھے۔''

میں نے غلام حسین اور لیاقت علی کے نام ڈائری میں درج کرنے کے بعد شفیق سے کہا۔ ''تم تھوڑی دیر کے لیے کمرے سے باہر جاؤ۔ میں اپنا کام ختم کرنے کے بعد تم سب کے بیانات لیتا ہوں۔''

''جی، ٹھیک ہے۔'' وہ فرمانبرداری سے بولا۔

وہ جانے کے لیے مڑا تو میں نے کہا۔ ''غلام حسین اور لیاقت علی کو بھی اپنے گھر میں بلا لو۔ میں ان دونوں سے بھی چند سوالات کرنا چاہوں گا۔''

''جو آپ کا حکم تھانیدار صاحب!'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا اور کمرے سے نکل گیا۔

اب تک جو صورتِ حال سامنے آئی تھی، اس کی روشنی میں طفیل عرف تھیلا کے لیے متوفی یا مرحوم کے بجائے ''مقتول'' کا لفظ زیادہ موزوں اور مناسب محسوس ہوتا تھا۔ اس امر میں کوئی شک نہیں تھا کہ تھیلا کو گردن توڑ کر ہلاک کیا گیا تھا، یعنی یہ ایک سیدھی سیدھی قتل کی واردات تھی۔ تھیلا کا قاتل واقعتاً کوئی جن تھا یا حقیقتاً کوئی انسان، مجھے یہی کھوج لگانا تھی اور ظاہر ہے اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے کسی کھوجی کے تجربے اور مشاہدے سے استفادہ کرنا بھی ضروری تھا۔

میں نے کانسٹیبل یاسر کی مدد سے موقع کی کارروائی کو مکمل کیا۔ جائے وقوعہ پر مجھے ایسی کوئی چیز نہیں ملی جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ دُلہا اور دلہن کے ملن کی ہوشربا سنہری گھڑیوں میں کوئی تیسرا الّو لگانے وہاں آیا ہوگا۔

میں نے تھیلا کی لاش کو کانسٹیبل یاسر کی نگرانی میں سرکاری اسپتال بھجوا دیا تاکہ پوسٹ مارٹم رپورٹ کی مدد سے اس ''جناتی کارروائی'' کی عقدہ کشائی کی جا سکے۔ جائے واردات کی حیثیت کے حامل اس کمرے کے دونوں دروازوں پر میں نے سرکاری تالے ڈالنے کے بعد مقتول کے باپ سے کہا۔

''شفیق! ان تالوں کو کوئی کھولنے یا توڑنے کی کوشش نہ کرے ورنہ میں تمہارے بیٹے کے قاتل کو پکڑ نہیں سکوں گا۔''

''سمجھ گیا سرکار!'' وہ جلدی سے بولا پھر ہچکچاہٹ بھرے لہجے میں پوچھ بیٹھا۔ ''کیا آپ جنات وغیرہ کو بھی گرفتار کر سکتے ہیں؟''

''کیوں نہیں۔'' میں نے اس کی سوچ کی تسکین کی خاطر کہا۔ ''میں صرف تھانیدار ہی نہیں بلکہ میں نے عملیات وغیرہ کا علم بھی حاصل کر رکھا ہے۔ مجرم کوئی انسان ہو یا پھر کوئی ہوائی مخلوق، وہ مجھ سے بچ نہیں سکتا۔''

وہ بے یقینی سے مجھے تکنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت آمیز خوف صاف جھلک رہا تھا۔ میں نے اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے تشفی بھرے لہجے میں کہا۔

''فکر نہیں کرو شفیق! تمہارے ساتھ انصاف ہوگا۔ جس نے بھی طفیل کو ہلاک کیا ہے، وہ بہت جلد آہنی سلاخوں کے پیچھے ہوگا۔''

جواب میں اس کی آنکھیں برس پڑیں۔

آئندہ ایک گھنٹے میں، میں نے تین اہم کام نمٹا ڈالے۔ اول، تھیلا کے گھر کا تفصیلی جائزہ۔ دوم، مونا اور رحمتے کے بیانات۔ سوم، ان تمام افراد کے پاؤں کے خاکے جو مقتول کے کمرے میں گئے تھے۔ یہ خاکے کوئی تصویر کشی کا اعلیٰ شاہکار نہیں تھے۔ ایک موچی اپنے کسی گاہک کے جوتے کا سائز لینے کے لیے جیسے گتے پر اس کے پاؤں کو رکھ کر پنسل یا پین کی مدد سے ایک باؤنڈری لائن کھینچ لیتا ہے، مذکورہ خاکے بھی بالکل ویسی ہی آؤٹ لائن تھے۔ بعد ازاں میں نے اپنے اور کانسٹیبل یاسر کے پاؤں کے خاکے بھی ان خاکہ جات میں شامل کر لیے تھے تاکہ تفتیشی عمل کو آگے بڑھانے میں آسانی ہو۔

شفیق ورقاں والے کا گھر لگ بھگ آٹھ مرلے قطعۂ اراضی پر تعمیر شدہ تھا۔ کراچی کے باسی اس مکان کے رقبے کو دو سو چالیس گز تصور کر لیں۔ مکان کے پچھلے حصے میں تین کمرے بنے ہوئے تھے جن کے آگے برآمدہ بھی نظر آ رہا تھا۔ دو کمرے ایک جیسی پیمائش کے تھے جبکہ تیسرا کمرا نسبتاً

بڑا اور مستطیل شکل کا تھا۔ اس لمبوترے کمرے میں شفیق، رحمے اور مقتول تھیلا کے لیے مخصوص بیٹھنے کی جگہیں تھیں جہاں بیٹھ کر وہ تینوں دن بھر چوبی ہتھوڑوں کی مدد سے چاندی کے ورق کوٹا کرتے تھے۔ مکانیت کے لحاظ سے یہ مستطیل کمرا باقی دو کمروں کے پہلو میں واقع تھا۔ اس کے ساتھ والے یعنی درمیانی کمرے میں اس وقت دلہن مونا موجود تھی جبکہ تیسرا اور آخری کمرا وہی تھا جو جائے وقوعہ کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔

گھر کا باقی حصہ ایک کشادہ صحن پر مشتمل تھا جس میں تین چار سایہ دار درخت بھی لگے ہوئے تھے۔ یہ گھر کھلی فضا کا حامل تھا کیونکہ پلاٹ کا آدھے سے زیادہ حصہ صحن کے لیے خالی چھوڑ دیا گیا تھا۔ مکان کے تفصیلی معائنے کے بعد میں نے سب سے پہلے مقتول کی والدہ رحمت بی بی عرف رحمے کی پیشی سنی۔

رحمے نے زیادہ تر انہی باتوں کو دہرایا جو شفیق کی زبانی مجھے معلوم ہو چکی تھیں تاہم میں نے اپنی توجہ کم نہیں کی کیونکہ وہ ایک دکھی ماں تھی۔ اس نے اپنے جوان جہان بیٹے کو ہمیشہ کے لیے کھو دیا تھا۔

''آپ مانیں یا نہ مانیں لیکن سچ یہی ہے کہ تھیلا کی موت کا ذمے دار مونا کا جن ہی ہے۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''وہ مردود جن مونا کی کہیں بھی شادی نہیں ہونے دے گا۔ پہلے بھی اس جن نے کافی گڑبڑ کی ہے۔''

رحمے کے آخری الفاظ نے مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا۔ میں نے حیرانی ہوئی آواز میں پوچھا۔ ''تم کس گڑبڑ کی بات کر رہی ہو؟''

''دو سال پہلے مونا کی ماں شاہدہ نے اس کی شادی کی کوشش شروع کی تو اس کا جگر خراب ہو گیا۔'' وہ رازدارانہ انداز میں بولی۔ ''ہر طرح کا علاج کر کے دیکھ لیا مگر شاہدہ کا مرض کم ہونے کے بجائے بڑھتا چلا گیا اور سال بھر پہلے وہ موت کے منہ میں چلی گئی۔'' لمحاتی توقف کر کے اس نے مجھے ایسی نظر سے دیکھا جیسے یہ اندازہ قائم کرنے کی کوشش کر رہی ہو کہ میں اس کی بات کا یقین کر رہا ہوں یا نہیں۔ میں نے اپنے چہرے کے تاثرات سے اسے یہی پیغام دیا کہ میں پوری توجہ اور سنجیدگی سے نہ صرف اسے سن رہا ہوں بلکہ اس کی باتیں میری سمجھ میں بھی آ رہی ہیں۔

''شاہدہ تو اس دنیا سے چلی گئی مگر اس کے گھر والے کو جن والی بات پر یقین نہیں آیا۔'' وہ ایک گہری سانس خارج کرنے کے بعد اپنے بیان کو آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔

''اکرام اللہ نے جیسے ہی بیٹی کی شادی کے بارے میں سوچا، اس کا جگر بھی خراب ہو گیا۔ وہ یہ ماننے کو تیار نہیں تھا کہ اس کی بیوی کی موت کا ذمے دار مونا کا جن ہے۔ نہ ہی اسے اس بات کا یقین تھا کہ اس کے جگر کو خراب کرنے والا بھی وہی عاشق جن ہے۔ مونا کے جن والی کہانی پورے فیض نگر میں مشہور ہے تھانیدار صاحب! اگر آپ کو میرے کہے پر بھروسا نہیں ہو رہا تو خود فیض نگر جا کر معلوم کر لیں۔''

''رحمے! اگر تم مجھ سے یہ نہیں بھی کہتیں تو میں نے فیض نگر کا تفصیلی دورہ کرنے کا فیصلہ کیا ہوا ہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''تمہاری بہو پر عاشق ہونے والے جن نے میرے رگ و پے میں افراتفری مچا رکھی ہے۔ جب تک میں اس نالائق جن کو گرفتار نہیں کر لوں گا، مجھے سکون حاصل نہیں ہوگا۔ اس حرام خور کی تلاش میں فیض نگر کیا، میں کوہ قاف تک بھی جاؤں گا۔''

وہ شک آلود نظر سے مجھے دیکھنے لگی۔ اس کے کچھ بولنے سے پہلے میں نے حوصلہ افزائی کرنے والے انداز میں کہا۔

''رحمے! تم بہت اہم بات کر رہی تھیں۔ اپنا بیان جاری رکھو۔''

''میں نے بتایا ہے نا کہ ادھر فیض نگر میں کوئی مونا سے شادی کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔'' وہ اطمینان بھرے لہجے میں بولی۔ ''سب اس کے جن کی وجہ سے ڈرے اور سہمے ہوئے تھے مگر اکرام اللہ پر جیسے بیٹی کو جلد از جلد بیاہنے کا جنون سوار تھا۔ جب فیض نگر میں اس کا کام نہ بنا تو اس نے تھیلا کے باپ کو گھیر لیا۔ شفیق جیسا کاٹھ کا الو آسانی سے اس کے جذباتی جھانسے میں آ گیا۔ اکرام اللہ نے چند آنسو گرا کر شفیق کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ مونا کی شادی تھیلا سے کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ میں اس رشتے کے حق میں بالکل نہیں تھی تھانیدار صاحب لیکن شفیق نے میری ایک نہیں سنی اور یہ شادی ہو گئی جس کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔''

بولتے بولتے اس کی آواز رندھ گئی۔ اس کا صدمہ بلاشبہ دل خراش اور جانکاہ تھا۔ میں اس کی ذہنی کیفیت کو بہ خوبی سمجھ اور محسوس کر رہا تھا۔ اس کے مجروح جذبات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے میں نے کرید کے عمل کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''تو تمہارے خیال میں شاہدہ کی موت، اکرام اللہ کی بیماری اور تھیلا کو پیش آنے والے جان لیوا حادثے کا سبب صرف اور صرف مونا کا عاشق جن ہی ہے؟''

''میں تو یہی سمجھ رہی ہوں تھانیدار صاحب!'' وہ قدرے طنزیہ آمیز لہجے میں بولی۔ ''باقی آپ خود تفتیش کرلیں۔''

''میں تو تفتیش کر ہی رہا ہوں رحمتے۔'' میں نے ٹھوس انداز میں کہا۔ ''کیا تمہیں یہ معلوم ہے کہ مونا کے جن کا انکشاف کب اور کیسے ہوا؟''

''میں آپ کی بات سمجھی نہیں جی۔'' وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے تکنے لگی۔

''میرا مطلب ہے.....'' میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ کیسے پتا چلا کہ کوئی جن اکرام اللہ کی بیٹی میمونہ عرف مونا پر عاشق ہوگیا ہے؟''

''یہ تو شاہ جی نے پتا لگایا تھا تھانیدار صاحب!'' وہ پُروثوق لہجے میں بولی۔

میں پوچھے بنا نہ رہ سکا۔ ''کون شاہ جی؟''

''قبلہ وحید شاہ صاحب!'' اس نے جواب دیا۔ ''شاہ جی بہت پہنچی ہوئی ہستی ہیں تھانیدار صاحب! ادھر فیض نگر میں ان کا آستانہ بھی ہے۔ آستانہ وحیدیہ!''

''تمہیں تو شاہ جی کی بڑی جانکاری ہے۔'' میں نے رحمتے کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''لگتا ہے، تم بھی آستانہ وحیدیہ کا چکر لگا چکی ہو؟''

''میری شاہ جی سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔'' وہ جلدی سے بولی۔ ''لیکن میں نے ان کی تعریف بہت سنی ہے۔''

''ایک بات میری سمجھ میں نہیں آرہی۔'' میں نے الجھن زدہ سوچ کی اداکاری کرتے ہوئے عجیب سے لہجے میں کہا۔

وہ ترنت مستفسر ہوئی۔ ''کون سی بات تھانیدار صاحب؟''

''شاہ جی کسی ڈاکٹر کے بجائے ٹیسٹ لیبارٹری کا کردار کیوں ادا کررہے ہیں؟'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہ گاڑ کر بیزاری سے کہا۔

وہ پلکیں جھپکاتے ہوئے بولی۔ ''اس کا کیا مطلب ہے جی؟''

''لیبارٹری کے ٹیسٹ سے مرض کی تشخیص ہوتی ہے اور ڈاکٹر مرض کا علاج کرتا ہے۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر دباؤ ڈالتے ہوئے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ ''شاہ جی نے یہ تو پتا لگالیا کہ کوئی دل پھینک جن مونا پر عاشق ہوگیا ہے لیکن مذکورہ بدذات جن کو بھگانے کے سلسلے میں انہوں نے کچھ نہیں کیا۔ یہ کوئی باباگیری تو نہ ہوئی۔''

''اس بارے میں بھلا میں کیا کہہ سکتی ہوں۔'' وہ بے بسی سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''یہ تو شاہ جی ہی کو پتا ہوگا تھانیدار صاحب!''

''ٹھیک ہے۔ اس بارے میں، میں شاہ جی سے ضرور پوچھوں گا۔'' میں نے تسلی بھرے انداز میں کہا۔ ''تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔''

''جی..... شکریہ۔'' وہ ممنونیت بھرے لہجے میں بولی۔

''اور ہاں.....'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''رحمتے! میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ بہت جلد تھیلا کے قاتل کو لاکر تمہارے قدموں میں پھینکوں گا..... ان شاءاللہ!''

اظہارِ تشکر کے طور پر اس کی اداس آنکھوں میں آنسو بھر گئے۔

رحمتے سے میں نے ون ٹو ون بات کی تھی یعنی ہمارے آس پاس کوئی تیسرا موجود نہیں تھا۔ یہی طریقہ میں نے مونا کا بیان لینے کے لیے بھی اپنایا لیکن اس سے گفتگو شروع کرنے میں مجھے کافی دقت کا سامنا ہوا کیونکہ اس کا رونا ہی تھمنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ شفیق اور زرینہ کے تعاون سے بہ مشکل تمام میں مونا کو بولنے پر آمادہ کرسکا۔ اس حوالے سے رحمتے نے میری کوئی مدد نہیں کی تھی۔ وہ مونا کو سخت ناپسند کرتی تھی کیونکہ اس کی دانست میں مونا کے جن نے اس کے بیٹے کی جان لے لی تھی۔ بہ الفاظِ دیگر مونا ہی تھیلا کی قاتل..... اس کی موت کی ذمے دار تھی۔

ساس اور بہو کے رشتے میں روزِ اول سے جو دراڑ پڑگئی تھی، اسے مٹانا کوئی آسان کام نہیں تھا اور ایسی کسی کوشش کے لیے یہ وقت بھی موزوں نہیں تھا۔ مجھے جلد از جلد تھیلا کے قاتل تک پہنچنا تھا اور اس مقصد کے حصول کے لیے ضروری تھا کہ میں اپنی توجہ کو اِدھر اُدھر نہ بھٹکنے دوں۔

''شفیق نے مجھے بتایا ہے کہ وہ لوگ تمہاری چیخ سن کر نیند سے اٹھ گئے تھے؟'' مونا بات کرنے کے قابل ہوئی تو میں نے استفسار کیا۔ ''مجھے بتاؤ، پچھلی رات اس کمرے میں ہوا کیا تھا؟ تم نے ایسی بھیانک چیخ کیوں ماری تھی؟''

شفیق کے بیان کے مطابق مونا نے انہیں بتایا تھا کہ تھیلا اچانک بستر کے اوپر سے اچھل کر نیچے کمرے کے فرش پر جا گرا تھا اور یک دم بے حس و حرکت ہوگیا تھا۔ بادی النظر میں یہ بیان حلق سے نیچے اترنے والا نہیں تھا۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ مونا مجھے کیا بتاتی ہے۔

میرے سوال پر اس نے ٹٹولنے والی مگر متوحش نظر سے مجھے دیکھا جیسے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کررہی ہو کہ مجھ پر کس حد تک بھروسا کیا جاسکتا ہے۔ میں نے اس کی ہمت بندھاتے ہوئے اپنایت بھرے لہجے میں کہا۔

''مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں مونا۔ اگر تم مجھے سب سچ بتادو گی تو میں تمہاری مدد کرسکوں گا۔''

مونا کی عمر بیس کے آس پاس رہی ہوگی۔ وہ ایک سانولی سلونی اور انتہائی پُرکشش لڑکی تھی۔ اس کی غزالی آنکھوں سے مقناطیسی لہریں خارج ہوتی محسوس ہوتی تھیں۔ اس کا حسن ایک انوکھی اور لاجواب حیثیت کا حامل تھا۔ وہ قد میں تھیلا سے کم وبیش چھ انچ زیادہ تھی۔ اسے دیکھ کر ہر ہیرو جوان کا دل دھڑک اٹھنا عین فطری ردعمل تھا۔ اگر واقعتاً کوئی جن مونا پر عاشق ہوگیا تھا تو اس گستاخی کے لیے اس جن کو ''موردِالزام'' ٹھہرانا کھلی ناانصافی ہوتی۔ الغرض، تھیلا، مونا کا پاسنگ بھی نہیں تھا۔ یہ ایک بے جوڑ رشتہ تھا۔

''مجھے یہاں نہیں رہنا تھانیدار صاحب!'' میرے سوال کے جواب میں وہ گلوگیر لہجے میں بولی۔ ''خدا کے لیے مجھے واپس ابا کے پاس بھیج دیں۔''

''میں نے تمہاری ساس کے تیوروں کو اچھی طرح بھانپ لیا ہے مونا!'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''تم اگر چاہو گی بھی تو وہ تمہیں اس گھر میں ٹکنے نہیں دے گی۔ تمہیں جلد یا بہ دیر واپس جانا ہوگا لہٰذا بہتر یہی ہے کہ مجھ سے تعاون کرکے میرا کام آسان بنادو۔ میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔ میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔ تمہیں میرے سوالوں کے جواب دینا ہی ہوں گے۔ اگر یہاں تم زبان نہیں کھولو گی تو میں تمہارے پیچھے فیض نگر بھی جاؤں گا۔ میں اتنی آسانی سے تمہاری جان نہیں چھوڑوں گا کیونکہ مجھے ہر صورت میں تھیلا کے قاتل تک پہنچنا ہے۔ یہ کام صرف تمہارے ذریعے ہی ہوسکتا ہے۔ تھیلا کن حالات سے گزر کر موت کے منہ میں گیا ہے، یہ تم سے زیادہ بہتر اور کوئی نہیں جانتا۔ تم اس حیرت انگیز اور پراسرار واقعے کی اکلوتی چشم دید گواہ ہو۔''

میں نے مونا کی ذہنی کیفیت کو نارمل کرنے کے لیے کافی طویل تمہید باندھ دی تھی۔ اس دوران میں وہ بار بار اپنی لانبی پلکیں جھپکاتی رہی تھی۔ میں نے بات کرتے ہوئے اپنی نگاہ اس کے چہرے کے تاثرات پر جمادی تھی۔ مجھے اس کی آنکھوں میں گاہے بہ گاہے اضطراب ہلکورے لیتا دکھائی دیا۔ میرے اندر سے بار بار ایک بے آواز صدا ابھرتی رہی تھی کہ مونا کچھ ایسا ضرور جانتی ہے جو تھیلا کی ناقابلِ فہم موت کا راز فاش کرسکتا ہے۔

''آپ..... مجھ سے کیا..... پوچھنا چاہتے ہیں..... تھانیدار صاحب!'' میرے خاموش ہونے پر اس نے اضطراری انداز میں کہا۔

''پوچھ تو میں چکا ہوں مونا لیکن ایسا لگتا ہے تم نے میری بات پر دھیان نہیں دیا۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سپاٹ آواز میں کہا۔

اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا۔ ان لمحات میں وہ مجھے ''نہ پائے رفتن، نہ جائے ماندن'' ایسی کیفیت میں نظر آئی۔ میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں اپنا سوال دہرایا۔

''مجھے بتاؤ، پچھلی رات تھیلا کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا تھا؟''

''میں نے تھیلا کے کہنے پر لباس تبدیل کرلیا تھا.....'' وہ تھوک نگل کر اپنا حلق تر کرتے ہوئے بولی۔ ''اس دوران میں تھیلا نے بھی اپنے کپڑے بدل لیے تھے پھر.....''

وہ بات ادھوری چھوڑ کر چوکنا نظر سے دروازے کی جانب دیکھنے لگی جیسے اسے ڈر ہو کہ کوئی باہر سے اندر آکر اس کی بات سن لے گا۔ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''جب تک میں اجازت نہیں دوں گا، کوئی اس کمرے میں قدم رکھنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ تم بے دھڑک بولتی جاؤ۔''

''شادی والے کپڑے تبدیل کرنے کے بعد ہم دونوں رانگلے پلنگ پر لیٹ گئے تھے.....'' وہ اپنے جواب کو آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔ ''اس وقت تھیلا بہت خوش تھا اور اپنی خوشی کے اظہار کے لیے وہ مجھے چومنا چاہتا تھا مگر اس کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی۔''

اس نے ایک مرتبہ پھر اپنی بات ادھوری چھوڑی تو میں نے متجسس انداز میں استفسار کیا۔ ''تھیلا اپنی خواہش پوری کیوں نہیں کرسکا؟''

''تھیلا نے جیسے ہی مجھے چھونے کی کوشش کی، اس کے بدن کو کرنٹ سا لگا۔'' وہ ایک جھرجھری لیتے ہوئے بولی۔ ''اس کے بعد وہ پلنگ سے گز بھر اوپر اٹھا اور فضا میں اڑتے ہوئے کمرے کے فرش پر جا کر گرا اور بے ہوش ہوگیا۔ یہ بھیانک منظر دیکھ کر میری چیخ نکل گئی۔ ایسی صورتِ حال میں نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی غیبی طاقت نے تھیلا کو پلنگ سے اٹھا کر فرش پر پٹخ دیا ہو اور..... نیچے گرتے ہی اس کی جان نکل گئی ہو۔''

''تم نے جو بتایا، اگر یقین ایسے ہی پیش آیا تھا تو اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ.....'' میں نے مونا کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے گمبھیر انداز میں کہا۔ ''اس

غیبی طاقت کو تھیلا کا تمہیں چھونا بالکل پسند نہیں آیا تھا۔ اسی لیے اس نے تھیلا کو پلنگ سے اٹھا کر زمین پر دے مارا اور اس کی گردن کا کڑاکا نکال کر دوسرے جہاں روانہ کر دیا۔''

یہ بات میں نے مونا کی ذہنیت کو دیکھتے ہوئے کی تھی۔ جب اس نے کسی غیبی طاقت کا ذکر کیا تو مجھے یہ سمجھنے میں قطعاً کوئی دشواری محسوس نہیں ہوئی کہ وہ بھی تھیلا کی ہلاکت کا ذمے دار اپنے عاشق جن ہی کو سمجھ رہی تھی۔

''مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے تھانیدار صاحب!'' وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ''ورنہ ہم دونوں کے سوا تو کمرے میں اور کوئی تھا ہی نہیں۔''

''تم بھول رہی ہو مونا.....!'' میں نے بدستور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''گزشتہ رات سہاگی کمرے میں کوئی تیسرا بھی موجود تھا۔''

''کون.....؟'' وہ اس طرح اچھل پڑی جیسے لفظ ''تیسرا'' نے اسے گیارہ ہزار وولٹ کا جھٹکا دیا ہو۔ ''نن..... نہیں تھانیدار صاحب.....!'' وہ لکنت زدہ لہجے میں صفائی پیش کرتے ہوئے بولی۔ ''بس ہم دونوں ہی تھے کمرے میں..... پتا نہیں آپ کس تیسرے بندے کی بات..... کر رہے ہیں۔''

اس دوران میں، میں مسلسل مونا کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ بھی لے رہا تھا۔ وہ تاثرات مجھے یہ بتانے کی کوشش کر رہے تھے کہ میرے استفسار یہ اظہار نے مونا کو اندر سے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اس کی آنکھیں چغلی کھا رہی تھیں جیسے میں نے اس کی کوئی چوری پکڑ لی ہو۔ عین ممکن ہے کہ مونا کا یہ مشکوک ردعمل اس واہیات صورتِ حال کا نتیجہ ہو جس میں وہ گھری ہوئی تھی۔

''میں کسی بندے کی بات نہیں کر رہا مونا!'' میں نے قدرے نرم لہجے میں کہا۔ ''میرا اشارہ اس شریر جن کی جانب ہے جو تم پر عاشق ہے اور جس نے جوشِ رقابت میں تھیلا کی گردن کا منکا توڑ کر اسے زندگی کی قید سے آزاد کر دیا ہے۔''

میری یہ رائے اس کی سوچ سے لگا کھاتی تھی چنانچہ ایک طویل، گہری اور اطمینان بخش سانس چھوڑنے کے بعد وہ معتدل انداز میں بولی۔

''تھانیدار صاحب! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔''

''مطلب یہ کہ وہ عاشق جن ہر وقت تمہارے ساتھ رہتا ہے؟'' میں نے غیر محسوس انداز میں تفتیشی عمل کو جاری رکھتے ہوئے سوال کیا۔

''شاہ جی نے یہی بتایا تھا۔'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ''لیکن میں نے کبھی اسے دیکھا نہیں اور نہ ہی کبھی اس نے اپنی موجودگی کا احساس دلایا ہے۔ پچھلی رات میں نے پہلی مرتبہ اس کا غصہ دیکھا ہے۔ شاہ جی بالکل درست کہتے ہیں۔ یہ جن کہیں بھی میری شادی نہیں ہونے دے گا۔''

''کیا گزشتہ رات تم نے عاشق جن کا صرف غصہ ہی دیکھا ہے یا وہ خود بھی تمہیں نظر آیا تھا؟'' میں نے تیز لہجے میں دریافت کیا۔

''نہ جی.....'' وہ نفی میں گردن جھٹکتے ہوئے بولی۔ ''جن تو مجھے کہیں نظر نہیں آیا۔ میں نے تو بس تھیلا کو ہوا میں اڑتے اور فرش پر گرتے دیکھا تھا۔ شاہ جی کہتے ہیں.....''

وہ بولتے بولتے رکی اور ایک بار پھر چوکنا انداز میں کمرے کے بند دروازے کو تکنے لگی۔ میں نے اس کے اطمینان کی خاطر تسلی آمیز انداز میں کہا۔

''تمہیں کسی سے خائف ہونے کی ضرورت نہیں مونا۔ میں سب کو سنبھال لوں گا۔ تم اپنی بات مکمل کرو۔ مجھے بتاؤ، شاہ جی جن کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟''

''شاہ جی کا کہنا ہے کہ وہ جن بہت ہی ڈراؤنی شکل کا ہے۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔ ''وہ مجھے کبھی بھی دکھائی نہیں دے گا۔ وہ نہیں چاہتا کہ میں اس کی صورت دیکھ کر مارے خوف کے تھر تھر کانپنے لگوں۔ وہ مجھے کوئی تکلیف، کوئی دکھ نہیں دینا چاہتا۔''

''یہ شاہ جی تو بہت ہی پہنچے ہوئے انسان لگتے ہیں۔'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''جو جن کو بھی دیکھ لیتے ہیں لیکن.....'' میں نے دانستہ توقف کیا پھر الجھن زدہ لہجے میں اضافہ کر دیا۔ ''ایک بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔''

''شاہ جی کو فیض نگر اور آلے دوالے کے تمام گاؤں دیہات کے لوگ مانتے ہیں تھانیدار صاحب!'' وہ عقیدت بھرے انداز میں بولی پھر مجھ سے پوچھا۔ ''آپ کی سمجھ میں کون سی بات نہیں آ رہی؟''

''جب وہ یہ جان سکتے ہیں کہ تم پر کوئی جن عاشق ہے.....'' میں نے رحمے سے پوچھے گئے سوال کو بہ اندازِ دیگر دہراتے ہوئے مونا سے کہا۔ ''بلکہ وہ اس عاشق جن کی شکل و صورت سے بھی واقف ہیں تو پھر وہ تمہیں اس جن سے نجات کیوں نہیں دلا دیتے؟''

''اس قسم کی بات اماں نے بھی شاہ جی سے کی تھی۔'' وہ معتدل انداز میں بولی۔ ''اور انہوں نے جواب دیا تھا کہ یہ جن ان سے زیادہ طاقتور ہے۔ اسے پچھاڑنے اور

بھگانے میں ان کی جان جانے کا بھی خطرہ ہے۔ ضدی جن غصے میں آکر انہیں شدید نقصان پہنچا سکتا ہے۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ شاہ جی اس عاشق جن کی دشمنی مول لینے کو تیار نہیں ہیں۔'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''خیر، اس موضوع پر میں بھی شاہ جی سے ضرور بات کروں گا۔''

مونا خالی نظر سے مجھے تکنے لگی۔ میں نے اسے ضروری ہدایات دیں اور کمرے سے باہر نکل آیا۔

گھر چھوڑنے سے قبل میں نے شفیق اور رحیمے سے بھی مختصر بات چیت کی تھی۔ وہاں اول آخر یہ ماحول بنا ہوا تھا کہ مونا کے جن نے طیش میں آکر تھیلا کی گردن توڑ کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ سیانے کہتے ہیں..... ''جب آپ روم میں ہوں تو وہی کریں جو رومن کرتے ہیں۔''

میں نے بھی اس کہاوت کا احترام کرتے ہوئے اپنے اندر کے ''تھانیدار'' اور اس کے مبنی بر حقائق عزائم کو خفیہ رکھ کر سب پر یہی ظاہر کیا کہ مجھے جن والی کہانی پر یقین آگیا ہے۔

☆☆☆

طفیل المعروف بہ ''تھیلا'' کی موت چوبیس اور پچیس اکتوبر کی درمیانی شب واقع ہوئی تھی اور اس واقعے کی اطلاع مجھے پچیس اکتوبر کی صبح دی گئی تھی۔ اس سے اگلے روز یعنی چھبیس اکتوبر کو میں نے کھوجی لطیف مغل کو تھانے بلا کر صورتِ حال سے آگاہ کرنے کے بعد سات پاؤں کے خاکے اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

''یہ ان سات افراد کے پاؤں کے خاکے ہیں جو تھیلا کی موت واقع ہونے سے لے کر پولیس کی کارروائی شروع ہونے تک اس کمرے میں گئے تھے جہاں قتل کی یہ واردات ہوئی ہے۔ میں نے اپنا اور کانسٹیبل یاسر کے پاؤں کا خاکہ بھی اس میں شامل کر دیا ہے اور ہر خاکے پر متعلقہ شخص کا نام بھی لکھ دیا ہے تاکہ تمہیں کسی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔''

''میں آپ کی کارگزاری کو دیکھ رہا ہوں ملک صاحب!'' وہ مذکورہ خاکہ جات کا بغور جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ ''میں کام شروع کر دیتا ہوں۔ آگے جو اللہ کی مرضی۔ ان شاء اللہ! میں کسی چھوٹے سائز کے پاؤں کا کھرا تلاش کر کے ہی دم لوں گا۔''

اس کے آخری الفاظ نے مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا۔

''چھوٹے سائز کا پاؤں؟'' میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ''اس کا کیا مطلب ہوا چاچا؟''

لطیف مغل کی عمر ساٹھ سے متجاوز تھی تاہم وہ ''ساٹھا پاٹھا'' ہرگز نہیں تھا۔ اس کے برعکس وہ ''اللہ کی شان دیکھو، تھکے میں جان دیکھو'' کی عملی شکل نظر آتا تھا۔ اس پر مستزاد اس کی صورت بالکل ایک مرغے ایسی تھی۔ اکثر لوگ اسے ''چاچا کُکڑ'' کہہ کر بھی پکارتے تھے مگر مزے کی بات یہ کہ وہ خود کو کُکڑ (مرغ) کہنے والوں سے ناراض نہیں ہوتا تھا بلکہ صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتا تھا۔ ''جب میں کُکڑ جیسا نظر آتا ہوں تو لوگ مجھے باندر (بندر) تھوڑی کہیں گے۔''

''آپ نے بتایا ہے نا کہ تھیلا کی گردن اس کی بیوی کے عاشق جن نے توڑی ہے۔'' وہ میرے سوال کے جواب میں بولا۔ ''میں نے بزرگوں سے سن رکھا ہے کہ جنات چھوٹے قد کاٹھ کے ہوتے ہیں۔ بالکل آٹھ سے دس سال کے بچے کے مانند۔ اسی لیے میں نے چھوٹے پاؤں کے کھرے کی بات کی ہے ملک صاحب!''

''پہلی بات تو یہ کہ تھیلا کا قتل کسی جن نے کیا ہے، یہ میری نہیں بلکہ دوسرے لوگوں کی رائے ہے۔'' میں نے دوٹوک انداز میں کہا۔ ''میں ایک حقیقت پسند انسان ہوں اور زمینی حقائق کو ذہن میں رکھ کر تفتیش کرتا ہوں۔''

''تو کیا آپ جن کے وجود سے انکار کرتے ہیں؟'' لطیف مغل نے عجیب سی نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔ ''جنات کا ذکر تو قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔''

''قرآن مجید، اللہ کا پاک اور سچا کلام ہے چاچا!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اس کے ایک بھی لفظ بلکہ ایک بھی حرف حتیٰ کہ ایک زبر، زیر اور پیش کو شک کی نظر سے دیکھنے والا دائرۂ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ یہاں پر مسئلہ جنات کے وجود پر یقین کرنے یا نہ کرنے کا نہیں ہے بلکہ کیس یہ ہے کہ کیا کوئی جن کسی خوبصورت لڑکی پر عاشق ہو سکتا ہے؟ کیا وہ اپنی محبوبہ کی شادی میں رکاوٹ ڈالنے کی طاقت رکھتا ہے؟ اور کیا اگر اس کی محبوبہ کی کسی سے شادی ہو جائے تو وہ اپنی محبوبہ کے ہونے والے شوہر کی گردن کا کڑاکا نکال کر اسے اس دنیا سے رخصت کر سکتا ہے؟''

''ملک صاحب! آپ نے تو بہت سارے سوالات کھڑے کر دیے ہیں۔'' وہ اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولا۔ ''اب مجھے کام سے لگ جانا چاہیے ورنہ کہیں آپ مجھے بھی اٹھا کر کھڑا نہ کر دیں۔''

''کام سے لگے رہنا تو اچھی بات ہے چاچا!'' میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''لیکن جاتے جاتے میری ایک بات اپنے ذہن میں ٹھیک سے بٹھاتے جانا۔ یہ نکتہ تمہیں اور کوئی نہیں بتائے گا۔''

وہ رک گیا اور دلچسپی سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔
''ملک صاحب! آپ عمر میں مجھ سے آدھے ہیں مگر باتیں پتے کی کرتے ہیں۔ فرمائیں جناب!''
''اللہ تعالیٰ نے اس زمین پر جو مخلوقات پیدا کی ہیں، ان میں معلوم زندہ چیزوں کے تین بڑے گروہ ہیں۔ نمبر ایک انسان، نمبر دو جنات اور نمبر تین جانور۔ جانوروں میں پرندے، چرندے، درندے، حشرات الارض اور ہر قسم کی آبی مخلوق بھی شامل ہے۔'' میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''کوئی شے اچھی لگنا یا کوئی چیز پسند آجانا اور یا پھر کسی سے انسیت پیدا ہوجانا ایک الگ اور عام سی بات ہے لیکن جہاں تک نر اور مادہ کے عشق کا معاملہ ہے تو وہ صرف اپنے گروہ کے اندر ہی ہوسکتا ہے یعنی کہ.....'' لمحاتی توقف کرکے میں نے ایک گہری سانس خارج کی پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔
''ایک مرد کو ایک عورت ہی سے عشق ہوسکتا ہے اور یک عورت کو ایک مرد سے۔ یہ ممکن نہیں کہ کوئی جن یا کوئی پچھ کسی خوبصورت عورت پر عاشق ہوجائے یا کوئی عورت کسی چیتے یا جن یا مگر مچھ کو دل دے بیٹھے۔ اللہ نے جسمانی، ذہنی اور روحانی ملاپ کے لیے کچھ اصول اور ضابطے بنا رکھے ہیں جنہیں توڑنا ممکن نہیں۔ امید ہے تم میری بات سمجھ گئے ہوگے؟''
''جی ملک صاحب!'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ مونا پر عاشق ہونے والے تھیلا کے قاتل جن کی کہانی پر یقین نہیں رکھتے؟''
''اس کیس کے کنارے لگنے تک تم بھی میرے ہم خیال ہوجاؤ گے چاچا!'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''ایسی کہانیاں فلموں اور ناولوں میں ہی اچھی لگتی ہیں۔ حقیقت کی دنیا بڑی سفاک اور عملی ہے چاچا! زمینی حقائق ایسی کہانیوں سے بہت دور ہیں۔ یہ دنیا بقدرِ کوشش کے اصول پر کام کرتی ہے۔ تم بھی کوشش کرو کہ جائے وقوعہ سے تھیلا کے قاتل کا کھرا مل جائے۔ اس کے بعد ہی میں کوئی بڑا قدم اٹھا سکوں گا۔ ایک بات کی میں تمہیں گارنٹی دیتا ہوں مغل چاچا.....!''
میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑا تو وہ اضطراری لہجے میں مستفسر ہوا۔ ''کس چیز کی گارنٹی ملک صاحب؟''
''اس بات کی گارنٹی کہ.....'' میں نے ڈرامائی انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ''جائے وقوعہ پر سے تمہیں کسی بھی آٹھ سے دس سال کے بچے کے پاؤں کا کھرا نہیں ملے گا۔ میرا مطلب ہے مونا کے عاشق جن کا کھرا کیونکہ..... اگر کسی نام نہاد جن کے پاؤں کے نشانات زمین پر ثبت ہوسکتے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ انسانی آنکھ اسے دیکھ بھی سکتی ہے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ مونا کا بیان اس کمرے میں کسی تیسرے وجود کی موجودگی کی نفی کرتا ہے۔''
''مونا جھوٹ بھی تو بول سکتی ہے ملک صاحب؟'' وہ بے ساختہ بول اٹھا۔ ''ممکن ہے وہ کوئی خاص بات آپ سے چھپانا چاہتی ہو؟''
''چاچا! میں تمہاری بات سے مکمل اتفاق کرتا ہوں۔'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اس کے رویے سے میں نے بھی ایسا محسوس کیا ہے لیکن ابھی تک میں اس فیصلے پر نہیں پہنچ سکا کہ وہ کس معاملے کی پردہ پوشی کررہی ہے۔ کل ایسا موقع نہیں تھا کہ میں اس کو کڑی تفتیش سے گزارتا۔ اس کا ابتدائی بیان لینے کے لیے مجھے کافی صبر سے کام لینا پڑا کیونکہ اس کا رونا دھونا ہی بند نہیں ہورہا تھا۔ بہرحال.....'' میں نے لمحاتی توقف کرکے ایک بوجھل سانس خارج کی پھر سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔
''میں بہت جلد مونا سے ایک تفصیلی ملاقات کروں گا پھر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہوجائے گا..... ان شاء اللہ!''
پھر میں نے کھوجی چاچا لطیف مغل کو کانسٹیبل فاروق کے ہمراہ جائے وقوعہ کی جانب روانہ کردیا۔ گزشتہ روز میں نے وقوعہ والے کمرے کے دونوں دروازوں پر سرکاری تالے ڈال دیے تھے۔ ان تالوں کی چابیاں میں نے کانسٹیبل فاروق کو دے دی تھیں تاکہ انہیں اپنا کام کرنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔
مقتول تھیلا کی نئی نویلی بیوہ مونا سے میں نے جو گفتگو کی تھی، اس کے دو پہلو اہمیت کے حامل تھے۔ پہلا، اس کے چہرے کا تغیر و تبدل۔ دوسرا، میرے سوالات کے بعض غیر منطقی اور ناقابلِ یقین جوابات۔ مونا کے چہرے کے تاثرات سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ حد درجہ ڈری اور سہمی ہوئی تھی۔ اس واقعے نے اس کے حواس کو بری طرح متاثر کیا تھا۔ اس نے روتے ہوئے مجھ سے یہ درخواست بھی کی تھی کہ اسے فوراً اس کے ابا اکرام اللہ کے پاس بھیج دیا جائے۔ وہ اپنی سسرال میں ایک پل بھی نہیں رکنا چاہتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی مونا کے چہرے کی بدلتی ہوئی حالت سے مجھے ایسا بھی لگا کہ وہ مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کررہی تھی۔ کوئی ایسی بات جس کا تعلق تھیلا کی پراسرار

موت سے تھا۔ میں نے سردست اس کے چہرے کے مدوجزر کو ایک طرف رکھ دیا اور اس کے ناقابلِ فہم جوابات پر غور کرنے لگا۔ اس کے جذباتی اتار چڑھاؤ کا بعد میں بھی تجزیہ کیا جاسکتا تھا۔

مونا نے مجھے بتایا تھا کہ تھیلا نے جیسے ہی اسے چومنے کا ارادہ کیا، اس کے بدن کو ایک خطرناک جھٹکا لگا تھا جیسے اس نے بے دھیانی میں بجلی کے ہائی وولٹیج ننگے تار کو چھولیا ہو۔ اس کے ساتھ ہی وہ ہوا میں اچھلا تھا اور پلنگ کے اوپر سے پرواز کرتے ہوئے کمرے کے فرش پر جا گرا تھا پھر اسے اٹھنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ زمین پر گرتے ہی وہ اللہ کو پیارا ہوگیا تھا۔ مونا نے اس واقعے کے دوران میں کسی بندے بشر کو اس کمرے میں نہیں دیکھا تھا۔ اگر کسی عاشق جن کو تھیلا کا قاتل تسلیم کرلیا جائے تو پھر یہ کہانی بڑی فٹ اور ہٹ تھی مگر میں اور میرا تھانیدارانہ ذہن اس انداز میں قطعاً نہیں سوچ سکتا تھا۔

تھیلا کے ہوا میں بلند ہوکر دور جا گرنے کے حوالے سے میرا ذہن ایک مخصوص دماغی مرض ''مرگی'' کی طرف جارہا تھا۔ مرگی کے مریض کو جب فٹس (دورہ) پڑتا ہے تو وہ ایک جھٹکے سے اچھل کر یہاں سے وہاں جا گرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے اندر مرگی کی دیگر علامات بھی ظاہر ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر ہاتھ پاؤں کا اینٹھ جانا، منہ سے جھاگ اور گردن کا ایک طرف کو مڑ جانا۔ موجودہ کیس میں مقتول تھیلا کی گردن یقیناً ایک جانب کو مڑی ہوئی تھی لیکن دیگر علامات مفقود تھیں۔ اس سنگین صورتِ حال میں اگر جن کی کہانی کو رد کرکے حسنِ ظن سے کام لیتے ہوئے تھیلا کو مرگی کا مریض مان لیا جاتا تو کہا جاسکتا تھا کہ زمین پر گرتے ہی اس کی گردن کا منکا ٹوٹ جانے کے بعد فوری موت واقع ہوگئی لہٰذا دیگر علامات کے ظاہر ہونے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ اس تصوری کو سچ ثابت کرنے کے لیے ضروری تھا کہ تھیلا مرگی کا مریض ہو اور یہ تصدیق اتر دیدا اس کے گھر والے ہی کرسکتے تھے۔

دوپہر کے بعد کھوجی بابا اور کانسٹیبل فاروق اپنے مشن سے لوٹ آئے۔ وہ اپنے ساتھ سنسنی خیز خبریں بھی لائے تھے۔ میں نے فوراً انہیں اپنے کمرے میں بلالیا۔

''ملک صاحب! میں نے بندہ پکڑ لیا ہے۔'' لطیف مغل نے جوشیلے لہجے میں بتایا۔

میں نے معتدل انداز میں استفسار کیا۔ ''کون سا بندہ چاچا؟''

''وہی جناب.....!'' اس نے اضطراری انداز میں وضاحت کردی۔ ''جس نے تھیلا کی گردن کا کڑاکا نکال کر اسے موت کے منہ میں دھکیلا ہے۔''

''اوہ... زبردست!'' میں سیدھا ہوکر بیٹھ گیا اور پوچھا۔ ''کیا تم تھیلا کے قاتل کو اپنے ساتھ لائے ہو؟''

''نہیں ملک صاحب!'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''میرا مطلب ہے، میں نے اس بندے کا کھرا پکڑ لیا ہے جو وقوعہ کی رات پچھلے دروازے سے دلہا دلہن کے کمرے میں آیا تھا اور اسی دروازے سے واپس چلا گیا تھا۔''

''پچھلا دروازہ.....؟'' میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''یعنی تم اس دروازے کی بات کررہے ہو جو کھیتوں کی جانب کھلتا ہے؟''

''بالکل وہی جناب!'' وہ ٹھوس انداز میں بولا۔ ''جب کمرے کے اندر میں نے تلاشِ کھرا کا کام شروع کیا تو آپ نے مجھے جن سات پاؤں کے نمونے دیے تھے، ان کے نشانات تو ملے ہی ملے۔ ان کے ساتھ ہی مجھے ایک آٹھویں پاؤں کا بھی کھرا ملا۔ اس پاؤں کا سائز بھی غیر معمولی ہے۔''

''غیر معمولی مطلب نارمل سائز سے بہت چھوٹا؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اظہارِ خیال کیا۔ ''جیسا کہ آٹھ دس سال کے بچے کے پاؤں کا سائز ہوتا ہے..... ہیں نا؟''

''ملک صاحب! آپ جن کے قد کاٹھ کو لے کر میرا مذاق اڑا رہے ہیں مگر میں بہت سنجیدہ ہوں جناب! میں نارمل پاؤں سے کہیں بڑے پاؤں کے کھرے کی بات کررہا ہوں جو لگ بھگ دس نمبر کا جوتا پہنتا ہو۔''

پاؤں کے سائز کے ذیل میں لطیف مغل سے میں نے جو بھی کہا، اس سے میرا مقصد کھوجی کا مذاق اڑانا ہرگز نہیں تھا۔ بس، وہ بات خوامخواہ ہی میرے منہ سے نکل گئی تھی۔ اس کی وضاحت کے جواب میں، میں نے کہا۔

''دس نمبر کا جوتا تو خاصے بڑے پاؤں کے لیے ہوتا ہے۔ جیسے تم نے بزرگوں سے سن رکھا ہے کہ جن قد و قامت میں آٹھ دس سال کے بچے جتنے ہوتے ہیں۔ ویسے ہی میں نے بھی سن رکھا ہے کہ دیو کا قد کاٹھ پہاڑ کے مانند ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص دراز قامت اور ڈیل ڈول کا مضبوط ہو تو اسے دیو سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ اس سے تو یہ پتا چلتا ہے کہ تھیلا کی موت کا ذمے دار کوئی جن نہیں بلکہ دیو ہے۔'' لمحاتی توقف کرکے میں نے ایک گہری سانس خارج کی پھر زیرِلب مسکراتے ہوئے ان الفاظ میں اضافہ کردیا۔

''اور یہ خالصتاً ایک مذاق تھا۔ تم مجھے دس نمبر پاؤں

والے بندے کے بارے میں تفصیلاً بتاؤ۔ میں توجہ سے سن رہا ہوں۔"

لطیف مغل نے مجھے ایسی نظر سے دیکھا جیسے بہ زبانِ خاموشی کہہ رہا ہو۔ "ملک صاحب! آپ بھی بڑے بھولے ہیں۔ صورتِ حال کی سنگینی کو نظر انداز کر کے کافی سنجیدہ مذاق کرتے ہیں۔"

آئندہ پندرہ منٹ میں کھوجی لطیف مغل نے مجھے جو کچھ بتایا اس کا خلاصہ یہ ہے..... جائے وقوعہ پر غیر معمولی بڑے پاؤں کا کھرا دیکھ کر وہ چونک اٹھا تھا۔ باقی تمام کھروں کو نظر انداز کر کے اس نے مذکورہ کھرے پر توجہ مرکوز کر دی۔ جلد ہی وہ اس حقیقت تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ وہ بندہ عقبی دروازے سے کمرے میں داخل ہوا تھا اور اسی راستے واپس چلا گیا تھا۔ کھوجی نے گھر کے باہر بھی کھرے کا تعاقب کیا تھا اور کھیتوں تک پہنچ گیا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ بندہ کھیتوں سے نکل کر جائے وقوعہ تک آیا تھا اور اسی راستے سے واپس گیا تھا۔ کھیتوں کے اندر زمین خاصی نم تھی اور پگڈنڈی پر گھاس اُگی ہوئی تھی جس کے سبب وہ مذکورہ کھرے کا مناسب انداز میں پیچھا نہیں کر سکا تھا۔ وغیرہ وغیرہ!

وہ اپنی بات مکمل کر چکا تو میں نے سوال کیا۔ "چاچا! تم جائے وقوعہ کے جس دروازے کا ذکر کر رہے ہو، میں نے بھی اس سے باہر جھانک کر دیکھا تھا۔ مجھے تین اطراف میں تاحدِ نگاہ کھیت ہی کھیت نظر آئے تھے۔ کیا تم مجھے ٹھیک ٹھیک بتا سکتے ہو کہ دس نمبر پاؤں والا وہ مشکوک بندہ کس سمت سے آیا تھا اور واپس کدھر گیا تھا؟"

"سمت ایک ہی ہے ملک صاحب!" وہ مضبوط لہجے میں بولا۔ "جائے وقوعہ سے بالکل شمال کی جانب۔"

"ہوں....." میں گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر معتدل انداز میں پوچھا۔ "کیا تم لوگوں نے جائے واردات کو دوبارہ لاک کر دیا ہے؟"

"جی ملک صاحب!" اس بار کانسٹیبل فاروق نے جواب دیا۔ "زمینوں، دروازوں پر سرکاری تالے لگا دیے گئے ہیں اور کھیتوں کی طرف جانے والے راستے پر بھی نشانی کے پتھر رکھ کر کھرے کو محفوظ کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی میں نے کھیتی اور دیگر لوگوں کو تاکید کر دی ہے کہ جب تک پولیس کی تفتیش مکمل نہیں ہو جاتی، اس راستے پر کوئی قدم رکھنے کی غلطی نہ کرے ورنہ کارِ سرکار میں رخنہ ڈالنے پر وہ بندہ سیدھا جیل جائے گا۔"

شاندار ماضی و روایات

اگر تم زندگی میں کسی ایسے مقام پر آ جاؤ جہاں یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جائے کہ اب کیا قدم اٹھانا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ کی کتاب "قرآن مجید" اور حضرت محمد ﷺ کی سیرت طیبہ پر عمل کرو جو ساری کائنات میں تسلیم شدہ ہے۔

شاندار ماضی اور عمدہ روایات کے حامل خاندانوں سے قریبی تعلقات استوار کرو اور ایسے اقربا کی صحبت اختیار کرو جو بہادر، فیاض، مہربان اور اعلیٰ کردار کے مالک ہوں۔

کامل یقین

☆ رزق بندے کو اس طرح ڈھونڈتا ہے جیسے موت انسان کو تلاش کرتی ہے۔

☆ سب کچھ کھونے کے بعد بھی اگر آپ میں حوصلہ ہے تو سمجھ لیجیے کہ آپ نے کچھ نہیں کھویا۔

☆ آنکھیں بولتی ہیں اور ان کی زبان صرف آنکھ ہی جان سکتی ہے۔

☆ کسی کی خوبیوں کی تعریف کرنے میں اپنا وقت برباد مت کرو، اس کی خوبیاں اپنانے کی کوشش کرو۔

☆ اگر تم لوگوں سے دولت میں نہیں بڑھ سکتے تو خندہ پیشانی اور اخلاق میں بڑھ جانا۔

باتوں سے خوشبو آئے

☆ بدصورت چہرہ بدصورت دماغ سے بہتر ہے۔

☆ جھوٹ بولنے کا اثر گہرے زخم جیسا ہے، جس کے بھر جانے کے بعد بھی نشان باقی رہتا ہے۔

☆ غم سے روح میں توانائی آ جاتی ہے۔

☆ ضرر انگیز سچائی سے مصلحت آمیز جھوٹ بہتر ہے۔

☆ زندگی ایک پھول ہے اور محبت اس کا شہد۔

☆ دشمن سے زیادہ خطرناک وہ ہے جو دوست بن کر بے وفائی کرے۔

(مرسلہ: محمد انور ندیم، اوکاڑہ)

''فاروق! تمہارا مستقبل مجھے خاصا روشن نظر آرہا ہے۔'' میں نے ستائشی انداز میں کانسٹیبل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تمہارے اندر تھانیدارانہ جراثیم کی بھرمار ہے۔ مجھے یقین ہے، تم بہت ترقی کرو گے۔''

''شکریہ ملک صاحب!'' فاروق نے تشکرانہ انداز میں کہا۔

''ملک صاحب! اپنے کانسٹیبل کے مستقبل میں جھانکنے سے اگر آپ کو فرصت مل جائے تو تھوڑی توجہ میرے حال پر بھی فرمائیں سرکار!'' لطیف مغل نے شاکی نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ہم بھی پڑے ہیں راہوں میں.....''

''تمہارے حال کو کیا ہوا ہے چاچا؟'' میں نے تیز لہجے میں استفسار کیا۔ ''بس، ذرا خوراک پر توجہ دو پھر موجاں ای موجاں!''

''آپ خوراک کی بات تو ایسے کر رہے ہیں جیسے میرے کوئی پھوپا یا تایا وزیرِ خوراک لگے ہوئے ہیں۔'' وہ طنزیہ انداز میں بولا۔ ''ملک صاحب! میرے گھر کے ویہڑے میں آسمان سے من وسلویٰ نازل نہیں ہوتا۔ ہر شے خرید کر کھانا پڑتی ہے جس کے لیے پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں نے اپنا کام کر دیا ہے۔ اب آپ بھی اپنی جیب ڈھیلی کریں سرکار۔''

''اوہ..... تو یہ ہے مسئلہ۔'' میں نے بھویں اچکاتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں اپنی سروس کا معاوضہ چاہیے؟''

''سیدھی سی بات ہے ملک صاحب!'' وہ معتدل انداز میں بولا۔ ''ہر شخص معاوضے ہی کے لیے تو محنت مشقت کرتا ہے۔''

''لیکن چاچا تمہارا کام ابھی مکمل نہیں ہوا۔'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جما کر کہا۔ ''تمہاری خدمت کا صلہ ضرور ملے گا مگر کام ختم ہونے پر۔''

''کیا مطلب ہے آپ کا ملک صاحب؟'' وہ خفگی بھرے لہجے میں مستفسر ہوا۔ ''اب کون سا کام باقی ہے؟''

''قاتل کے کھرے کا کام ابھی ادھورا ہے۔'' میں نے کہا۔ ''تمہیں کھیتوں کے آخری حصے پر بھی تجربہ آزمائی کرنا چاہیے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ دس نمبر کے پاؤں والا وہ بندہ کھیتوں سے نکل کر کدھر گیا تھا۔ میری بات سمجھ رہے ہو نا؟''

''جی..... سمجھ رہا ہوں.....'' وہ بُرا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔ ''کل نمٹاتا ہوں آپ کا کام جناب! مجھے اجازت دیں۔'' وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور شاکی لہجے میں اضافہ کر دیا۔ ''میں تو سمجھ رہا تھا آج پیسے مل جائیں گے۔ خیر.....''

''رک جاؤ.....'' میں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ ''خالی ہاتھ مت جاؤ۔''

وہ رک کر تشکرانہ نظر سے مجھے تکنے لگا۔ تھوڑی دیر پہلے اس کے چہرے پر جو کوفت، بیزاری اور شکایت دکھائی دے رہی تھی، اس کا اب دور دور تک نام و نشان نظر نہیں آرہا تھا۔ میں نے پانچ روپے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یہ بخشش رکھ لو۔ باقی کام کی تکمیل کے بعد۔''

اس نے خوشدلی سے مجھے سیلوٹ کیا اور دعائیں دیتے ہوئے میرے کمرے سے رخصت ہو گیا۔

پانچ روپے پا کر لطیف مغل المعروف بہ ''چاچا کھرا'' نے جو اظہارِ مسرت کیا تھا، اس پر زیادہ حیران یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ واقعہ آج سے لگ بھگ پینسٹھ سال پہلے کا ہے۔ وہ ستائی کا زمانہ تھا اور ان دنوں پانچ روپے کی بڑی اہمیت اور وقعت ہوا کرتی تھی۔ ایک عام انسان کی ماہانہ آمدنی تیس سے چالیس روپے کے درمیان ہوتی تھی۔ اس حساب سے اس دور کے ایک روپے کو آج کے کم و بیش ایک ہزار روپے سمجھ لیں۔

اسی روز شام سے پہلے ضلعی اسپتال سے طفیل عرف تھیلا کی پوسٹ مارٹم شدہ لاش تھانے آگئی۔ ابتدائی رپورٹ کے مطابق تھیلا کی موت اس کی گردن کا منکا ٹوٹنے سے واقع ہوئی تھی۔ اس رپورٹ میں میرے لیے کوئی نئی یا چونکا دینے والی بات نہیں تھی۔ اس زمانے میں فنگر پرنٹس کا رواج عام نہیں ہوا تھا ورنہ مقتول کی گردن پر سے قاتل کی انگلیوں کے نشانات اٹھا کر اس کیس کو زیادہ بہتر انداز میں انویسٹی گیٹ کیا جا سکتا تھا۔ آج پولیس ڈیپارٹمنٹ کو تحقیق اور تفتیش کے سلسلے میں بہت زیادہ آسانیاں حاصل ہیں مگر میں یہ کہنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا کہ جرائم کی بیخ کنی کی شرح ہمارے مقابلے میں بہت کم ہے۔

میں نے ضروری کاغذی کارروائی کے بعد تھیلا کی لاش کو ایک کانسٹیبل کی نگرانی میں فرید آباد روانہ کر دیا۔ اس کے بعد اپنے کوارٹر میں آ گیا۔

اس رات میں جب تک جاگتا رہا، میری نگاہوں میں مونا کا چہرہ اور دماغ میں اس کی دروغ گوئی چکراتی رہی۔

☆☆☆

آئندہ روز ستائیس اکتوبر کی صبح ایک ضروری کام کے سلسلے میں مجھے ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر جانا پڑا۔ وہ سوموار کا دن تھا یعنی ہفتے کا آغاز۔ پیر کے روز تمام سرکاری محکموں میں

نسبتاً زیادہ کام ہوتا ہے لہٰذا مجھے آدھے سے زیادہ دن ہیڈ کوارٹر ہی میں لگ گیا۔ میں صبح یہی سوچ کر تھانے سے نکلا تھا کہ واپسی پر فرید آباد بھی جاؤں گا اور مونا سے پوچھوں گا کہ اس نے مجھ سے غلط بیانی کیوں کی تھی لیکن واپسی پر اتنی زیادہ دیر ہوگئی تھی کہ میں اپنا پروگرام کینسل کر کے تھانے آ گیا۔

اگلی صبح ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد میں نے حوالدار فضل داد کو اپنے پاس بلا کر ضروری ہدایات دیں اور ایک تانگے پر سوار ہو کر فرید آباد کی جانب روانہ ہو گیا۔ جب میں مقتول طفیل عرف تھیلا ورقاں والے کے گھر پہنچا تو ایک انوکھی صورتِ حال کا سامنا ہوا..... مونا گزشتہ روز اپنے میکے چلی گئی تھی۔

میرے استفسار پر مقتول کے باپ شفیق ورقاں والے نے مجھے بتایا۔ ''تھانیدار صاحب! کل ہم نے تھیلا کا تیجا (سوئم) کیا تھا۔ فیض نگر سے مونا کا باپ اکرام اللہ بھی آیا ہوا تھا۔ مونا نے ضد کی کہ وہ یہاں نہیں رہنا چاہتی۔ ادھر سے رحمتے بھی آستینیں چڑھا کر کھڑی ہو گئی اور مونا کو چڑیل، ڈائن اور چھل پیری جیسے القابات سے نوازنے کے بعد پھنکارے مشابہ لہجے میں بولی۔ ''کل کی جاتی آج جا اور آج کی جاتی ابھی دفع ہو۔ تمہاری منحوست نے میرے جوان جہان بیٹے کی جان لی ہے۔ میں ایک پل بھی تمہیں اپنے گھر میں برداشت نہیں کر سکتی۔'' لمحاتی توقف کر کے شفیق نے ایک گہری سانس خارج کی پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

''جناب! کیا بتاؤں، کل یہ گھر تو میدانِ جنگ کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ میں نے رحمتے اور مونا کے تنازع کو اکرام اللہ کے سامنے رکھ کر منت بھرے لہجے میں کہا۔

''میرے یار! میں کتنا بے بس اور مجبور ہوں، یہ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اگر ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔'' بات کے اختتام پر میں نے اس کے سامنے اپنے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

''مجھے شرمندہ نہ کرو دوست!'' اکرام اللہ میرے جڑے ہوئے ہاتھوں کو تھام کر گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ میری بیٹی ہی کی قسمت خراب ہے۔ انسان کا ماضی سائے کے مانند اس کے تعاقب میں رہتا ہے۔ میں تمہاری مجبوری اور مونا کے نصیب کو اچھی طرح سمجھ رہا ہوں اور تمہارے بیٹے کی موت کا مجھے جتنا غم ہے، میں اسے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔'' لمحاتی توقف کر کے اس نے ایک افسردہ سانس خارج کی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''میں فی الحال مونا کو اپنے ساتھ فیض نگر لے جا رہا ہوں۔ بعد کی بعد میں دیکھیں گے۔ مجھے امید ہے تمہیں میرے اس فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔''

''میں بھلا اس کے فیصلے پر کیا اور کیوں اعتراض کرتا تھانیدار صاحب!'' شفیق نے گھائل انداز میں کہا۔ ''ان حالات میں اس سے زیادہ دانش مندانہ اقدام اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ میں نے اکرام اللہ کا شکریہ ادا کیا اور مونا کو اس کے ساتھ روانہ کر دیا۔''

''اس کا مطلب ہے مونا سے پوچھ تاچھ کے لیے اب مجھے فیض نگر کا رخ کرنا پڑے گا۔'' میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔

''مونا سے پوچھ تاچھ.....؟'' وہ شک زدہ نظر سے مجھے تکتے ہوئے بولا۔ ''مونا سے آپ نے کیا پوچھنا ہے تھانیدار صاحب؟ سب خیریت تو ہے نا؟''

''پولیس اور خیریت کبھی بھی ایک جگہ نہیں پائی جاتی شفیق!'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''اگر میں آج مونا سے ملنے یہاں آیا ہوں اور ہو سکتا ہے اس مقصد کے حصول کی خاطر میں آج ہی یا پھر کل صبح فیض نگر جاؤں تو اس کا ایک ہی مطلب ہے کہ خیریت بالکل بھی نہیں ہے۔''

''سوہنا رب خیر کرے تھانیدار صاحب!'' وہ سہمی ہوئی نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''آپ تو ڈرانے والی باتیں کر رہے ہیں۔ کچھ مجھے بھی تو بتائیں کہ آپ کے دماغ میں کیا چل رہا ہے؟ آپ کا چہرہ دیکھ کر تو مجھے خوف محسوس ہو رہا ہے جناب!''

''ڈرنے یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے شفیق! یہ معاملہ اس سے بھی زیادہ سنگین اور سنسنی خیز ہے۔'' میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''تم نے اپنے جوان بیٹے کو تازہ تازہ مٹی میں اتارا ہے۔ میں تھیلا کو واپس تو نہیں لا سکتا مگر میں تمہارے دکھ اور درد میں برابر کا شریک ہوں۔ میں تم سے کچھ بھی نہیں چھپاؤں گا لیکن اس سے پہلے کہ میں کچھ بتاؤں، تمہیں میرے چند سوالات کے سولہ آنے سچ جواب دینا ہوں گے۔ بولو، منظور ہے؟''

میں نے اپنی بات کو سوالیہ جملے پر مکمل کیا تو شفیق نے اضطراری لہجے میں کہا۔ ''تھانیدار صاحب! قبر میں اترنے والے تھیلا کی قسم، میں نے پہلے آپ سے کوئی غلط بیانی نہیں کی

اور نہ ہی اب کوئی جھوٹ بولوں گا۔ آپ نے جو بھی پوچھنا ہے، پورے اطمینان سے پوچھ سکتے ہیں۔''

''کیا تم مرگی کے بارے میں جانتے ہو؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''جی جانتا ہوں۔'' وہ پلکیں جھپکاتے ہوئے الجھن زدہ انداز میں بولا۔ ''یہ کس قسم کا سوال ہے تھانیدار صاحب؟''

''تم میرے سوالات کی اقسام میں اپنا دماغ نہ کھپاؤ۔'' میں نے بدستور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''تم مرگی کے حوالے سے جو بھی جانتے ہو، مجھے بتاؤ۔''

''یہ بہت ہی خطرناک بیماری ہے جناب!'' وہ گہری سنجیدگی سے بتانے لگا۔ ''جب اس کا دورہ پڑتا ہے تو بندے کے ہاتھ پاؤں مڑ جاتے ہیں، آنکھیں پلٹ جاتی ہیں اور گردن بھی ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ منہ سے بلبلوں والا جھاگ بھی نکلنے لگتا ہے اور..... اور میں نے سنا ہے، جوتی سُنگھانے سے دورہ ختم ہو جاتا ہے۔''

''صرف سنا ہی ہے یا تم نے کسی مریض کو جوتا سُنگھانے پر ٹھیک ہوتے بھی دیکھا ہے؟'' میں نے کریدنے والے انداز میں پوچھا۔

''دیکھا نہیں جی۔'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''بس، سنا ہی ہے۔''

شفیق کی فراہم کردہ معلومات غلط نہیں تھیں۔ جہاں تک جوتا سُنگھانے والا ٹوٹکا ہے تو اس کے پیچھے درحقیقت تیز بدبو کا راز چھپا ہوا ہے۔ دورے کی حالت میں اگر مریض کو کوئی نہایت ہی بدبودار چیز سونگھا دی جائے تو اس کے دماغ میں جاری مرگی کی موجیں (ویوز) ڈسٹرب ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ متاثرہ شخص کے جسم کو لگنے والے جھٹکے رک جاتے ہیں اور وہ بدترین دماغی کیفیت سے نکل آتا ہے۔ یہ محض ایک ٹوٹکا ہے جو اکثر کامیاب ہو جاتا ہے۔

''کیا تھیلا کو مرگی کے دورے پڑتے تھے؟'' میں نے شفیق کے چہرے پر نگاہ جما کر سرسراتی ہوئی آواز میں استفسار کیا۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں تھانیدار صاحب؟'' وہ بے یقینی سے مجھے تکتے ہوئے بولا۔

''سوال نہیں۔'' میں نے تنبیہ کرنے والے انداز میں کہا۔ ''میں نے جو پوچھا ہے، اس کا جواب دو..... ہاں یا نہ.....؟''

''نہ جی.....'' وہ نفی میں گردن جھٹکتے ہوئے پُراعتماد انداز میں بولا۔ ''اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو ہم ورقوں والا یہ کام ہی چھوڑ دیتے۔''

''ورقوں والا کام؟'' میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔ ''مرگی کا اس کام سے کیا لینا دینا؟''

''جناب! مرگی کا مریض اچانک یا مسلسل پیدا ہونے والی آواز سے بھی بری طرح متاثر ہوتا ہے۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''ہم دن بھر گھر میں بیٹھ کر ورق کوٹتے رہتے ہیں۔ یہ دھما کے دار آواز لگاتار ہمارے دماغ پر ہتھوڑے برساتی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم چاندی کے ورق کو نہیں، اپنے مغز کو کوٹ رہے ہوں۔''

شفیق کی بات میں وزن تھا۔ تیز، مسلسل اور دھما کے دار آواز کے مرگی کے مریض کے دماغ پر مرتب ہونے والے فوری اثرات سے میں واقف تھا مگر جب ابتدا میں شفیق نے اچانک اس کا ذکر کیا تو اس طرف میرا دھیان نہیں گیا تھا۔

''ٹھیک ہے۔'' میں نے معتدل انداز میں کہا۔ ''اب تم اچھی طرح سوچ کر مجھے بتاؤ کہ مونا کی چیخ سن کر جب تم اور تمہاری گھر والی دُلہا دلہن کے کمرے میں داخل ہوئے تھے تو کھیتوں کی طرف والا کمرے کا دروازہ بند تھا یا کھلا ہوا تھا؟''

''وہ دروازہ بند تھا جناب!'' اس نے بتایا۔ ''اور اندر سے کنڈی بھی لگی ہوئی تھی۔''

شفیق کا مکان گلی کے آخری کنارے پر تھا اور اس کے بعد کھیتوں کا ایک طویل سلسلہ تھا۔ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں، اس گھر کا ایک دروازہ کھیتوں کی طرف بھی کھلتا تھا اور مذکورہ دروازہ اسی کمرے میں تھا جہاں طفیل عرف تھیلا کی پراسرار موت واقع ہوئی۔ شفیق کا جواب مونا کے بیان کی تصدیق کرتا تھا، یعنی وہ دروازہ اندر سے بند تھا۔ جس کا مطلب تھا باہر سے کوئی شخص اس دروازے کے راستے کمرے کے اندر داخل نہیں ہوا تھا لیکن کھوجی لطیف مغل کی تحقیق اس صورتِ حال سے لگا نہیں کھاتی تھی۔ کھوجی کے مطابق دس نمبر کے پاؤں والا کوئی بندہ اس دروازے سے کمرے میں داخل ہوا تھا اور اسی راستے سے واپس بھی گیا تھا۔ کھوجی نے مذکورہ دروازے کے لیے اگرچہ ''پچھلا دروازہ'' کے الفاظ استعمال کیے تھے مگر درحقیقت وہ اس گھر کی مکانیت کے اعتبار سے سائڈ والا دروازہ کہلاتا تھا۔

''تھانیدار صاحب! اگر کوئی حرج نہ ہو تو مجھے بھی کچھ بتائیں۔'' مجھے گہری سوچ میں ڈوبا دیکھ کر شفیق نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔ ''آپ مجھے کافی پریشان نظر آ رہے ہیں۔''

''کوئی حرج نہیں ہے۔'' میں نے ٹھوس انداز میں کہا

پھر نہایت ہی مختصر الفاظ میں اسے حقیقت حال سے آگاہ کرنے کے بعد تاکیدی لہجے میں اضافہ کر دیا۔ ''ان باتوں کو ابھی خود تک ہی رکھنا ورنہ تفتیش کا سلسلہ متاثر ہو سکتا ہے۔''

''سمجھ گیا تھانیدار صاحب!'' وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

ہمارے درمیان گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ رحمتے نے کمرے میں آ کر کہا۔ ''تھانے سے دو بندے آئے ہیں۔ ایک تو وردی میں ہے اور دوسرا ایک دبلا پتلا بندہ ہے۔''

میں نے باہر نکل کر دیکھا۔ وہ کانسٹیبل امجد اور کھوجی لطیف مغل تھا جس کے لیے رحمتے نے ''دبلا پتلا بندہ'' کے الفاظ استعمال کیے تھے۔ میں نے کھوجی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا بات ہے چاچا! تم تھانے جانے کے بجائے ادھر آ گئے اور میرے ایک سپاہی کو بھی ساتھ لے آئے ہو..... خیریت تو ہے نا؟''

''پہلی بات تو یہ جناب کہ اگر سب کچھ ٹھیک ہوتا تو مجھے آپ کے پیچھے یہاں آنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔'' وہ اپنے مخصوص چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''دوسری بات یہ کہ میں ابھی آپ کے تھانے ہی سے آ رہا ہوں اور یہ سپاہی میری فرمائش پر نہیں بلکہ آپ کے حوالدار کے حکم پر میرے ساتھ آیا ہے۔ تیسری بات بھی سن لیں کہ میں کل شام سے پہلے بھی آپ سے ملنے تھانے آیا تھا مگر پتا چلا کہ آپ شہر گئے ہوئے ہیں اور چوتھی بات یہ کہ.....''

''بس، بس.....!'' میں نے ہاتھ اٹھا کر قطع کلامی کرتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔ ''اِدھر اُدھر کی باتیں بہت ہو چکیں۔ سیدھا مدعا پر آ جاؤ۔''

''میں آپ کو کچھ دکھانا چاہتا ہوں ملک صاحب!'' وہ جوش بھرے انداز میں بولا پھر اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے جھولے (تھیلے) میں ہاتھ ڈال کر کچھ تلاش کرنے کی کوشش میں مصروف ہو گیا۔

میں نے گزشتہ روز یعنی مورخہ ستائیس اکتوبر، کھوجی کو جو ''ہوم ورک'' دیا تھا اس کے مطابق اسے کھیتوں کے آخری حصے تک جا کر نمبر دس سائز کے پاؤں والے پراسرار بندے کا سراغ لگانا تھا تاکہ اس بات کا تعین کیا جا سکے کہ وہ بندہ کدھر سے آیا تھا اور واپس کہاں گیا تھا۔

میری نگاہ کھوجی پر ہی لگی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے جھولے کے اندر سے بڑے سائز کا ایک جوتا برآمد کیا پھر اسے میری سمت بڑھاتے ہوئے فخریہ لہجے میں بولا۔

''یہ لیں جی مدعا.....!''

میں نے اس کے ہاتھ سے وہ جوتا لے کر اس کا تنقیدی جائزہ لیا۔ وہ کچے چمڑے کا کھسا نما جوتا تھا اور سائز کے لحاظ سے اسے دس نمبر کا جوتا کہا جا سکتا تھا۔ میں نے سر سراتے ہوئے لہجے میں کھوجی سے استفسار کیا۔

''یہ تمہیں کہاں سے ملا ہے؟''

''کھیتوں کے آخری کنارے پر یہ جوتا ایک کھیت کے اندر پڑا ہوا تھا۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''جائے واردات سے میں نے جو کھرا اٹھایا تھا، وہ اسی جوتے کا ہے ملک صاحب! میں نے کھیتوں سے آگے بھی اس کھرے کو ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے مگر کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔''

''کامیابی حاصل نہیں ہو سکی کا کیا مطلب ہوا؟'' اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی میں نے سوال داغ دیا۔

''مطلب یہ کہ.....'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتانے لگا۔ ''کھیتوں سے آگے مجھے دس نمبر سائز کے ایک اور پاؤں کا کھرا ملا ہے مگر اس کا جوتا یہ نہیں تھا۔ یہی سمجھ میں آتا ہے کہ جوتے کا ایک پاؤں کھیتوں میں گر جانے کے بعد اس بندے نے جوتے تبدیل کر لیے تھے۔ میں نے ابھی جس نئے کھرے کا ذکر کیا ہے، وہ چند قدم کے بعد ناپید ہو گیا۔ وہاں پر مجھے ایک گھوڑے کے پاؤں کے واضح نشان دکھائی دیے ہیں۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ جس بندے کی ہمیں تلاش ہے، وہ کسی گھوڑے پر سوار ہو کر سیدھا شمال کی سمت گیا ہے۔''

فرید آباد سے شمال میں دو میل کے فاصلے پر موضع فیض نگر تھا یعنی وہ گاؤں جہاں سے مونا بیاہ کر یہاں آئی تھی۔ کھوجی ایک تجربہ کار بندہ تھا۔ اس کی تحقیق سے تو یہی بات سامنے آ رہی تھی کہ تھیلا کا قاتل کسی گھوڑے پر سوار ہو کر فرید آباد کے نواحی کھیتوں تک آیا تھا پھر مذکورہ کھیتوں کے اندر سے سفر کرتے ہوئے وہ دُلہا دلہن کے کمرے تک پہنچا تھا اور اپنا ''کام کرنے'' کے بعد وہ اسی طریقے سے واپس فیض نگر کی جانب چلا گیا تھا۔ قاتل کا تعلق فیض نگر سے تھا یا کسی اور علاقے سے، اس کا پتا چلانا بہت ضروری تھا اور اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ کہ وہ بندہ بند کمرے کے اندر داخل کیسے ہوا؟

''ملک صاحب!'' شفیق کی سرسراتی ہوئی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ ''میں تنہائی میں آپ سے ایک خاص بات کرنا چاہتا ہوں۔''

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ مجھے اس کے چہرے پر حد درجہ تشویش نظر آئی۔ میں فوراً اسے پیشتر اسے اندرونی کمرے میں لے گیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

''ہاں بتاؤ..... کون سی خاص بات ہے؟''

''کھوجی جو کھسّا لے کر آیا ہے.....'' وہ انکشاف انگیز لہجے میں بولا۔ ''وہ تو اکرام اللہ کا ہے۔''

''یہ..... یہ تم کیا کہہ رہے ہو شفیق.....؟'' میں گڑبڑا کر رہ گیا۔ ''کیا تمہیں پکا یقین ہے؟''

''جی ہاں۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا اور بتایا۔ ''اس شادی سے چند روز پہلے جب میں فیض نگر گیا تھا تو میں نے اکرام اللہ کو یہی کھسّا پہنے دیکھا تھا۔''

''ایک منٹ.....'' میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''یہ ضروری تو نہیں کہ کچے چمڑے سے بنا ہوا اس قسم کا کھسّا صرف اکرام اللہ ہی پہنتا ہو۔ یہ کسی اور شخص کا بھی تو ہو سکتا ہے۔''

''میں سائز کی وجہ سے بھی کہہ رہا ہوں جناب!'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''اکرام اللہ کے پاؤں اور ہاتھ خاصے بڑے ہیں جیسا کہ عموماً کمہاروں کے ہوتے ہیں۔''

شفیق کی بات سن کر مجھے ایک پرانی کہاوت یاد آ گئی۔ ''سر بڑے سرداروں کے، ہاتھ بڑے کمہاروں کے، پاؤں بڑے خرکاروں کے اور پیٹ بڑے بیماروں کے۔'' پھر میں نے شفیق کی تصحیح کرتے ہوئے کہا۔ ''پاؤں بڑے کمہاروں کے نہیں، خرکاروں کے۔''

''جی، جی.....'' وہ جلدی سے بولا۔ ''میں یہی کہنا چاہ رہا تھا۔''

''یہ بھی تو ہو سکتا ہے.....'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اس نمبر کے جوتے فیض نگر میں اکرام اللہ کے علاوہ بھی کوئی پہنتا ہو؟''

''جی ہو سکتا ہے مگر میں وثوق سے اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' وہ معتدل انداز میں بولا۔ ''میں فیض نگر کے ہر بندے کو ذاتی طور پر نہیں جانتا۔''

''اور فرید آباد کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟''

''میں سمجھا نہیں جناب؟'' وہ الجھن زدہ نظر سے مجھے تکنے لگا۔

''تم فرید آباد کے وسنیک ہو۔ یہاں کے ہر بندے کو تم نے اچھی طرح دیکھ بھال رکھا ہے۔'' میں نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ ''کیا دس نمبر کا جوتا پہننے والا کوئی بندہ اس گاؤں میں موجود ہے؟''

چند لمحے سوچنے کے بعد اس نے متذبذب لہجے میں جواب دیا۔ ''میرا خیال ہے کہ نہیں۔''

''شفیق! تمہارے جواب میں یقین اور اعتماد کا فقدان نظر آ رہا ہے۔'' میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''بہرحال، فیض نگر کا رخ کرنے سے پہلے میں فرید آباد کو چیک کرنا چاہوں گا۔ ویسے یہ بات میری کھوپڑی میں جگہ نہیں بنا پا رہی کہ تھیلا کے قتل میں اس کے سسر اکرام اللہ کا ہاتھ ہو۔''

''میں بھی کسی قیمت پر یہ ماننے کو تیار نہیں ہوں تھانیدار صاحب!'' وہ زور دے کر بولا۔ ''جو باپ اپنی بیٹی کا گھر بسانے کے لیے ہر وقت فکر اور پریشانی میں گھرا رہتا تھا اور میرے ہامی بھرنے پر وہ دل کی گہرائیوں سے میرا شکر گزار تھا، وہ بھلا کیسے اور کیوں اپنے ہاتھوں سے اپنے داماد کی جان لے سکتا ہے؟''

''اگر یہ کھسّا واقعتاً اکرام اللہ ہی کا ہے تو.....'' میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔ ''پھر یقیناً کسی شرپسند شخص نے اسے اس کیس میں پھنسانے کی سازش کی ہے۔''

''مجھے بھی کچھ ایسا ہی لگتا ہے جناب!'' وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا اور پوچھا۔ ''آپ فرید آباد میں کیا چیک کرنا چاہتے ہیں؟''

''تمہارے حساب سے فرید آباد میں مردوں کی تعداد کیا ہوگی؟'' اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے میں نے الٹا سوال کر ڈالا۔

''یہی کوئی..... ڈیڑھ سو ہوں گے جناب!'' اس نے بتایا۔

''میں ان تمام مردوں کے پاؤں چیک کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''اور وہ بھی کھوجی لطیف مغل کی نگرانی میں جس نے تمہارے بیٹے تھیلا کے قاتل کا کھرا پکڑا ہے۔''

وہ ایسی نظر سے مجھے دیکھنے لگا جیسے اسے یقین نہ آ رہا ہو کہ تھیلا کو مونا کے جن نے نہیں، کسی انسان نے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ میں نے شفیق کو اس کی سوچ کے ساتھ نبرد آزما چھوڑا اور اس مشن میں مصروف ہو گیا جس کا میں نے عزم ظاہر کیا تھا۔

یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ پورے گاؤں کے مردوں کو جمع کرنا اور پھر ان کے پاؤں کا سائز اور کھرا چیک کرنا۔ لگ بھگ پانچ گھنٹے میں ہم نے اپنا مشن مکمل کر لیا۔ جن مردوں کو ہم نے چیک کیا، ان میں سے کسی ایک کا پاؤں بھی

دس نمبر کا نہیں تھا۔ مطلب یہ کہ وقوعہ کی رات مونا اور تھیلا کی خواب گاہ میں داخل ہونے والے قاتل کا تعلق فرید آباد سے نہیں تھا۔ میں نے پھر بھی احتیاطاً پوچھ لیا۔

''کوئی رہ تو نہیں گیا بھئی؟''

ہر طرف سے مجھے نفی میں جواب ملا۔

اب اتنا وقت نہیں بچا تھا کہ میں فیض نگر کا قصد کرتا۔ میں نے اس کام کو کل کے لیے چھوڑا اور تھانے کا رخ کیا۔ جب ہم تھانے پہنچے تو مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔

''میرے لیے کیا حکم ہے ملک صاحب؟'' لطیف مغل نے امید بھری نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیا تم حکم کے غلام ہو چاچا جو اس قسم کے سوال کر رہے ہو؟'' میں نے چھیڑنے والے انداز میں پوچھا۔

''میں حکم کا غلام اور آپ حکم کے یکّا (اکّا) ہیں سرکار!'' وہ دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔ ''اگر آپ مجھے فارغ کر دیں تو آپ کی مہربانی ہوگی جناب!''

''چاچا! فراغت تو ملے گی کام کی تکمیل کے بعد۔'' میں نے دوٹوک انداز میں کہا۔ ''جب تک تھیلا کا قاتل میرے ہتھے نہیں چڑھ جاتا، میں تمہیں اپنے ہاتھ سے چھوڑنے والا نہیں لہٰذا میں جیسا کہتا ہوں، چپ چاپ کرتے جاؤ۔'' لمحاتی توقف کر کے میں نے ایک گہری سانس لی پھر ان الفاظ میں اضافہ کر دیا۔

''کل صبح تھانے میں حاضر ہو جانا۔ ہم ایک ساتھ فیض نگر جائیں گے۔''

وہ برا سا منہ بنا کر رہ گیا مگر کچھ بولا نہیں۔

☆☆☆

انتیس اکتوبر بروز بدھ کی صبح میں کانسٹیبل یاسر اور کھوجی لطیف مغل کی معیت میں پوری تیاری کے ساتھ فیض نگر پہنچ گیا۔ فیض نگر، فرید آباد سے دو میل کے فاصلے پر شمال میں واقع تھا۔ ایک راستہ میرے تھانے سے براہِ راست بھی فیض نگر تک جاتا تھا اور یہ سمت بنتی تھی شمال مشرق۔ ہم نے یہی تین میل کی مسافت والا راستہ اختیار کیا تھا۔

موضع فیض نگر کی آبادی آٹھ سے نو سو کے درمیان تھی۔ یہ دو سو گھروں پر مشتمل ایک متوسط گاؤں تھا۔ ہم نے اکرام اللہ کے گھر کا رخ کیا۔ میں اور یاسر پولیس یونیفارم میں تھے جبکہ لطیف مغل نے عوامی لباس زیبِ تن کر رکھا تھا۔ اکرام اللہ کا گھر تلاش کرنے میں ہمیں کوئی دقت یا پریشانی نہیں ہوئی۔ اپنے دروازے پر پولیس کو دیکھ کر اکرام اللہ گھبرا سا گیا۔ باری باری ہم سب کو دیکھنے کے بعد اس نے

بہترین تحریریں، لاجواب روداد اور
اعلیٰ داستانیں پڑھنے والوں کے لیے
سرگزشت کا مطالعہ ضروری ہے

ماہنامہ سرگزشت کراچی

شمارہ مئی 2022ء کی جھلکیاں

سرکش
ایک سرکش مگر معروف فلمکار کا زندگی نامہ

دس سالہ مطلقہ
معصوم سی بچی طلاق کی خاطر عدالت پہنچ گئی

اصلی نقلی نور جہاں
ملکہ ترنم پر ایک الگ انداز کی دلچسپ تحریر

جلاوطن
اسے سفارت کاروں نے اغوا کیا
اور وہ ملک کا سربراہ بن گیا

وبائی عشق
کورونا کے دنوں میں سہ جہتی
داستان عشق، انوکھی سچ بیانی

اس کے علاوہ
بہت سی سچ بیانیاں،
سچے واقعات، ہر شمارہ خاص شمارہ

بس ایک بار پڑھ کر دیکھیں
آپ خود گرویدہ ہو جائیں گے

الجھن زدہ لہجے میں پوچھا۔
''خیریت تو ہے ناجی؟''
''خیریت نہیں ہے اسی لیے ہم تمہاری خیریت پوچھنے آئے ہیں اکرام اللہ!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا پھر اپنا تعارف کراتے ہوئے بتایا۔ ''میرا نام ملک صفدر حیات ہے۔ میں اس علاقے کا نیا تھانیدار ہوں۔''
''جی، جی..... میں نے آپ کا نام سنا ہے۔'' وہ جلدی سے بولا۔ ''تھمیلا کے قتل کی تفتیش آپ ہی کر رہے ہیں نا؟''
''بالکل درست سنا ہے تم نے۔'' میں نے سپاٹ آواز میں کہا۔ ''اور یہی تفتیش مجھے تمہارے دروازے تک کھینچ لائی ہے۔ کیا تم ہمیں گھر کے اندر آنے کو نہیں کہو گے؟''
''ہاں، ہاں..... کیوں نہیں۔'' وہ ایک طرف ہٹتے ہوئے خوش اخلاقی سے بولا۔ ''اندر تشریف لے آئیں جناب! یہ آپ کا اپنا ہی گھر ہے۔''
ہم سب اکرام اللہ کی بیٹھک میں پہنچ گئے۔ اکرام اللہ ایک ادھیڑ عمر شخص تھا۔ دراز قامت اور ہاتھ پاؤں کا مضبوط۔ اس دوران میں، میں نے اس کے ہاتھ اور پاؤں پر خصوصی نگاہ رکھی ہوئی تھی۔ شفق ورقاں والے کا اندازہ بالکل صحیح تھا۔ اکرام اللہ کے پاؤں میں دس نمبر کا جوتا ہی آتا تھا۔
''میں چائے پانی کے لیے تھوڑی دیر کے بعد پوچھ سکوں گا تھانیدار صاحب!'' وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔ ''دراصل مونا اپنے گھر میں نہیں ہے۔ وہ آجائے تو پھر آپ کی خاطر تواضع کا بندوبست کرتا ہوں۔''
''مونا اپنے گھر میں نہیں ہے کا کیا مطلب ہوا اکرام اللہ؟'' میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ''کیا یہ اس کا گھر نہیں ہے؟''
''یہی گھر ہے تھانیدار صاحب!'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''میرے بتانے کا مقصد یہی تھا۔ بس، پریشانی میں الٹا سیدھا منہ سے نکل گیا۔''
''میں تمہاری پریشانی کو سمجھ سکتا ہوں۔'' میں نے ہمدردی بھرے انداز میں کہا۔ ''خدا خدا کر کے تم نے اپنی اکلوتی بیٹی کا گھر بسایا تھا۔ پتا نہیں، کس بدخواہ کی نظر لگ گئی۔ یہ شادی ایک دن بھی نہ چل سکی۔''
''کیا کریں جی۔ یہ تو مالک کی مرضی ہے نا تھانیدار صاحب!'' وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''مالک نے مونا کے نصیب میں یہی سب لکھا تھا۔''
''مونا کہاں گئی ہے؟'' میں نے تیز لہجے میں استفسار کیا۔
''تھمیلا کی موت کے بعد تو اسے عدت میں بیٹھنا چاہیے تھا۔''
''کیسی شادی اور کیسی عدت تھانیدار صاحب!'' وہ ایک ٹھنڈی سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ ''رحمے نے اسے اپنے گھر کی بہو تسلیم کیا اور نہ ہی اس کی سہاگ رات ہو سکی پھر کہاں کا نکاح اور کہاں کی عدت جناب!''
بات پوری کرتے ہوئے اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ بیٹی کا گھر اجڑنے کے غم نے اسے نڈھال اور بے حال کر رکھا تھا۔ اس نازک صورت حال میں، میں نے اس سے نکاح کی شرعی حیثیت اور عدت کی اہمیت پر کوئی بحث کرنا مناسب نہ جانا اور انتہائی سادگی میں اپنا سوال دہرا دیا۔
''اکرام اللہ! تم نے یہ نہیں بتایا کہ مونا گئی کہاں ہے؟''
''ادھر ہی آس پاس کے کسی گھر میں ہوگی۔'' اس نے جواب دیا۔ ''آپ بیٹھیں، میں اسے بلا کر لاتا ہوں تاکہ وہ آپ کے لیے.....''
''اس تکلف کی کوئی ضرورت نہیں اکرام اللہ!'' میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے دوٹوک انداز میں کہا۔ ''ہم یہاں خاطر مدارات کرانے نہیں آئے۔ جب تک مونا نہیں آجاتی، تم مجھ سے بات کرو اور سب سے پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارے جگر کا کیا حال ہے؟''
اس نے چونک کر مجھے دیکھا اور بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔ ''کیا آپ کو میری بیماری کا بھی علم ہے؟''
''میں اس علاقے میں تھانہ انچارج بن کر آیا ہوں اکرام اللہ!'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے معتدل انداز میں کہا۔ ''یہاں بسنے والے لوگوں کی خیر خبر رکھنا میرے فرائض کا حصہ ہے۔ میں تو یہ بھی جانتا ہوں کہ تم دس نمبر کا جوتا پہنتے ہو۔''
آخری جملہ میں نے سنسنی خیز انداز میں ادا کیا تھا۔ وہ بے حد حیرت بھرے لہجے میں بولا۔ ''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں تھانیدار صاحب! میرے جوتے کا یہی سائز ہے۔''
میں نے لطیف مغل کو اشارہ کیا۔ اس نے اپنے جھولے میں سے دس نمبر کے کھسے کا ایک پاؤں نکال کر میری جانب بڑھا دیا۔ میں نے مذکورہ جوتے کو اکرام اللہ کی طرف بڑھاتے ہوئے تیز لہجے میں استفسار کیا۔
''کیا یہ تمہارے جوتے ہی کا پاؤں ہے نا؟''
اس نے کھسے پر سرسری سی نگاہ ڈالی پھر گردن ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ ''نہیں جناب! اگرچہ میرے پاس بھی ایسا ایک کھسا ہے مگر یہ وہ نہیں ہے۔'' پھر اس نے مجھ سے پوچھا۔ ''آپ کو یہ ایک پاؤں کہاں سے ملا

تھانیدار صاحب؟''

میں نے سردست اس کے سوال کا جواب دینا ضروری نہ جانا اور اپنی تفتیش کو آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ ''اگر یہ تمہارے کھسّے کا پاؤں نہیں ہے تو پھر تمہارا مکمل کھسّا تو اس وقت گھر میں موجود ہوگا؟''

''جی، وہ اندر رکھا ہے۔'' اس نے پُروثوق انداز میں کہا۔

''میں تمہارا وہ کھسّا دیکھنا چاہتا ہوں۔'' میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

''ابھی دکھاتا ہوں جناب!'' وہ بیٹھک سے اٹھ کر گھر کے اندرونی حصے کی جانب بڑھ گیا۔

ایک منٹ سے بھی پہلے اکرام اللہ اندر سے اپنا کھسّا نکال لایا۔ جوتے کے دونوں پاؤں کا ایک ساتھ ہونا اس امر کا بین ثبوت تھا کہ لطیف مغل کو فرید آباد کے کھیتوں سے کھسّے کا جو ایک پاؤں ملا تھا، اس کا تعلق اکرام اللہ سے نہیں تھا تاہم دونوں کھسّے دیکھنے میں بالکل ایک جیسے تھے۔ یہی محسوس ہوتا تھا کہ کسی ایک ہی موچی کے ہاتھوں نے انہیں تیار کیا تھا۔ اسی گہری مشابہت کی بنیاد پر ہی شفیق کو بھی ایسا لگا تھا کہ لطیف مغل کا دریافت کردہ جوتا اکرام اللہ کا ہے۔

''تم نے یہ کھسّا کہاں سے بنوایا ہے؟'' میں نے اکرام اللہ سے پوچھا۔

''خوشیا موچی سے سرکار!'' اس نے بتایا۔ ''فیض نگر میں ایک ہی موچی ہے۔ یہاں کے وسنیک اسی سے جوتے بنواتے ہیں۔''

میں نے لطیف مغل کے دریافت کردہ جوتے کا پاؤں اکرام اللہ کو دکھاتے ہوئے سپاٹ آواز میں دریافت کیا۔ ''اگر یہ تمہارا جوتا نہیں ہے تو پھر مجھے بتاؤ یہ کس کا ہوسکتا ہے؟ میں نے فرید آباد کے ایک ایک بندے کا پاؤں چیک کرلیا ہے۔ وہاں اس سائز کا جوتا کوئی بھی نہیں پہنتا۔ اس کھسّے کا تعلق یقیناً فیض نگر ہی کے کسی باسی سے ہے۔''

''خوشیا نے ایک بار مجھے بتایا تھا کہ میرے سائز کا پاؤں فیض آباد میں صرف دو بندوں ہی کا ہے۔'' اکرام اللہ نے کہا۔ ''ایک میرا اور ایک بھولا پہلوان کا۔ ہوسکتا ہے یہ کھسّا بھولا پہلوان کا ہو۔ اس سلسلے میں آپ خوشیا موچی سے بھی تصدیق کرسکتے ہیں لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آرہی تھانیدار صاحب!'' وہ رک کر الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

''کون سی بات؟'' میں نے ترنت پوچھا۔

''کھسّے کا یہ پاؤں آپ کو کہاں سے ملا ہے؟'' اس نے سوال کیا۔ ''اور آپ کو ایسا یقین کیوں ہے کہ یہ فیض نگر کے کسی وسنیک کا جوتا ہے؟''

اکرام اللہ کے استفسار کا جواب دینے سے پہلے میں نے کانسٹیبل یاسر سے کہا۔ ''تم جاکر جلدی سے خوشیا موچی کو لے آؤ۔'' پھر میں نے مونا کے باپ سے مخاطب ہوتے ہوئے ان الفاظ میں اضافہ کردیا۔ ''یہ کھسّے کا پاؤں کھوجی لطیف مغل کو فرید آباد کے کھیتوں کے اندر سے ملا ہے۔ باقی کی بات تمہیں کھوتی چاچا اپنی زبانی بتائے گا۔''

پھر میرے اشارے پر لطیف مغل نے اسے تفصیلات سے آگاہ کردیا۔ کھوجی کی بات سنتے ہوئے اکرام اللہ کے چہرے پر کئی رنگ آکر گزر گئے جن میں حیرت، بے یقینی اور تعجب کے رنگ نمایاں تھے۔ اس دوران میں، میں اس کے چہرے کے تاثرات کو باریک بینی سے نوٹ کررہا تھا۔ وہاں پر مجھے خوف، ڈر یا گھبراہٹ کا کوئی تاثر دکھائی نہیں دیا جس سے میں یہ سوچتا کہ تھیلا کی موت میں اس کا ہاتھ ہوسکتا ہے۔

کھوجی کی وضاحت مکمل ہونے پر اکرام اللہ نے پُرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''تو تھیلا کو کسی سازش کے تحت قتل کیا گیا ہے؟''

''تو کیا تم بھی یہی سمجھ رہے ہو کہ وہ مونا کے جن کی کارستانی تھی؟'' میں نے خاصے کڑوے لہجے میں استفسار کیا۔

''سچ پوچھیں تو مجھے جن والی اس کہانی پر کبھی یقین نہیں آیا۔'' وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔ ''مونا کی ماں شاہدہ پیروں فقیروں کے پاس جاتی رہتی تھی۔ ہمارے گاؤں والے شاہ جی نے شاہدہ کو بتایا تھا کہ کوئی طاقتور جن مونا پر عاشق ہوگیا ہے جو کبھی مونا کی شادی نہیں ہونے دے گا۔ میں نے شاہ جی کی اس بات کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیا تھا۔ اگر مجھے جن والی کہانی پر یقین ہوتا تو میں مونا کی شادی ہی کیوں کرتا جناب؟''

''لوگ تو یہاں تک بھی کہتے ہیں کہ تمہاری بیوی نے شاہ جی کی بات پر یقین نہ کرتے ہوئے مونا کی شادی کی کوشش کی تو اس کا جگر خراب ہوگیا پھر اسی بیماری نے اس کی جان لے لی۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''اور جب سے تم نے مونا کی شادی کے بارے میں سوچنا شروع کیا تو تم بھی عارضۂ جگر میں مبتلا ہوگئے ہو۔''

''لوگوں کی زبان کو تو کوئی نہیں پکڑ سکتا تھانیدار صاحب!'' وہ معتدل انداز میں بولا۔ ''انہیں جو بولنا ہوتا

ہے، بولتے رہتے ہیں۔ میں ذاتی طور پر ایسی باتوں کو بکواس سمجھتا ہوں۔ میں تو بس یہ جانتا ہوں کہ.....'' وہ سانس ہموار کرنے کی غرض سے متوقف ہوا پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔ ''انسان کی زندگی، موت، صحت اور بیماری صرف اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے۔ وہی ذات ہر شے پر قادر ہے۔ جو رات قبر میں ہے، وہ باہر ہو ہی نہیں سکتی اور جسے اللہ رکھے، اسے کون چکھے۔''

''سبحان اللہ!'' میں نے ستائشی نظر سے اکرام اللہ کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''یہ کی ہے تم نے اہل ایمان مردوں والی بات۔ تمہارے خیالات سن کر میرا دل خوش ہو گیا ہے۔''

''میں تو ایک گناہ گار بندہ ہوں تھانیدار صاحب!'' وہ نہایت ہی عاجزی سے بولا۔ ''میرا جگر خرابی کے آخری مقام پر ہے۔ پتا نہیں کب بلاوا آجائے۔ یہی سوچ کر میں نے مونا کی شادی کر دی تھی کہ پتا نہیں میری موت کے بعد اس بے چاری کا کیا بنے گا مگر سوہنے رب کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ وہ بسنے سے پہلے ہی اجڑ گئی۔''

بات مکمل کرنے کے بعد وہ آنکھوں میں اتر آنے والی نمی کو خشک کرنے لگا۔ میں خود چونکہ ایک بیٹی کا باپ تھا اس لیے ایک باپ کے اپنی بیٹی کے لیے احساسات اور جذبات کو اچھی طرح سمجھ سکتا تھا۔ میں نے اس کی دلجوئی اور اشک شوئی کی غرض سے ہمدردی بھرے لہجے میں کہا۔

''کون گناہ گار ہے اور کون نیکوکار، یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں تم واقعی اکرام اللہ ہو۔ اللہ خوش قسمت لوگوں ہی کو بیٹی ایسی نعمت سے نوازتا ہے۔''

ہمارے درمیان یہ جذباتی گفتگو جاری ہی تھی کہ یاسر، خوشیا موچی کو لے کر آ گیا۔ آئندہ ایک گھنٹے تک میں نے مختلف زاویوں سے مذکورہ موچی کو گھسا۔ اس نے میرے سوالات کے جواب میں جو کچھ بتایا، وہ اکرام اللہ کے بیان کی تصدیق کرتا تھا، یعنی فیض نگر میں صرف دو افراد ہی کے پاؤں کا سائز دس نمبر کا تھا جن میں سے ایک اکرام اللہ اور دوسرا بھولا پہلوان تھا۔ موچی نے کھسے کے پاؤں کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا اور مجھے بڑے وثوق سے بتایا تھا۔

''تھانیدار جی! یہ کھسا تو میں نے پہلوان جی کے لیے ہی تیار کیا تھا۔''

''جب دونوں بندوں کے پاؤں کا سائز اور نمبر ایک ہے تو پھر تم یہ دعویٰ کس بنیاد پر کر رہے ہو؟'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہ گاڑ کر کڑے لہجے میں دریافت کیا۔

''کھسے کا یہ پاؤں اکرام اللہ کا بھی تو ہو سکتا ہے؟''

''نہیں جناب!'' وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''ان دونوں بندوں کے پاؤں کا نمبر بھلے ایک جیسا ہے لیکن سائز میں تھوڑا فرق ہے۔ میرا مطلب ہے اکرام اللہ اور بھولا پہلوان کے پاؤں کی لمبائی ایک جیسی ہے لیکن پہلوان جی کا پاؤں قدرے بھاری ہے جس کی وجہ سے اس کے جوتے کو معمولی سا چوڑا یعنی تھوڑا کھلا رکھنا پڑتا ہے تاکہ جوتے کے اندر پاؤں پھنس کر نہ رہ جائے اور اسے آسانی سے پہنا اور اتارا جا سکے۔''

خوشیا موچی کے بیان کردہ سیلی نکتے کو ذہن میں رکھ کر میں نے دوبارہ دونوں جوتوں کا تنقیدی جائزہ لیا تو یہ باریک سا فرق میری سمجھ میں آ گیا۔ کھسے کا جو پاؤں لطیف مغل کو فرید آباد کے کھیتوں میں سے ملا تھا، وہ بلاشبہ بھولا پہلوان ہی کا تھا کیونکہ وہ اکرام اللہ کے کھسے کی بہ نسبت تھوڑا زیادہ کشادہ تھا۔

خوشیا موچی کی پیشہ ورانہ وضاحت کے بعد تھیلا کے قاتل کے حوالے سے اکرام اللہ کی ذات شک کے دائرے سے باہر نکل گئی تھی اور لامحالہ اب یہ ''مقام'' بھولا پہلوان کی ذات نے حاصل کر لیا تھا۔

میں نے خوشیا کو فارغ کرتے ہوئے حکمانہ انداز میں کہا۔ ''تم میرے بندوں کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور انہیں پہلوان جی کا گھر دکھا دو۔''

''جو حکم مائی باپ!'' وہ فرمانبرداری سے بولا۔

''یاسر! تم اور لطیف مغل، خوشیا کے ساتھ جاؤ۔'' میں نے کانسٹیبل سے کہا۔ ''اور تم لوگوں نے ہر قیمت پر بھولا کو یہاں لے کر آنا ہے۔ اگر وہ دائیں بائیں کرنے کی کوشش کرے تو تمہیں ہر نوعیت کی سختی اپنانے کا اختیار ہے۔''

''سمجھ گیا ملک صاحب!'' یاسر نے چاق و چوبند لہجے میں کہا۔

''میں لطیف مغل کی ''جسمانی استطاعت'' سے بخوبی واقف تھا۔ ایک ہٹا کٹا پہلوان تو بہت دور کی بات ہے، اگر میں اسے بکری کا ایک بچہ بھی پکڑنے بھیجتا تو وہ ہانپتا کانپتا واپس آ کر یہی کہتا۔ ''ملک صاحب! وہ بکری کا نہیں، شیطان کا بچہ ہے۔ آپ نے بکروٹا بتا کر مجھے ایک شیلو نگڑے کے پیچھے دوڑا دیا ہے۔''

میں جانتا تھا کہ چاچا گگڑ یاسر کی کوئی ہنگامی مدد نہیں کر سکے گا لیکن میں نے ایک خاص مقصد کے تحت اسے کانسٹیبل کے ہمراہ روانہ کر دیا تھا اور وہ مقصد تھا اکرام اللہ سے تنہائی میں چند اہم اور سنسنی خیز باتیں کرنا۔ ایسی باتیں جو

دوسروں کے سامنے اس سے کرنا مجھے موزوں نہیں لگ رہا تھا۔ جب ہم دونوں کے سوا کوئی تیسرا اس گھر میں موجود نہ رہا تو میں نے سرسری انداز میں کہا۔

''اکرام اللہ! پتا نہیں تم بھی کیا سوچ رہے ہوگے۔ میں نے تمہارے گھر ہی کو تھانہ بنالیا ہے اور تھیلا کے قتل کی ساری تفتیش ادھر ہی بیٹھ کر کیے جارہا ہوں۔''

''ایسی کوئی بات نہیں جناب!'' وہ معتدل انداز میں بولا۔ ''میں تو خود یہی چاہتا ہوں کہ تھیلا کا قاتل جلد از جلد قانون کی گرفت میں آجائے۔''

''اگر تم اسی طرح مجھ سے تعاون کرتے رہے تو میں عنقریب تھیلا کے قاتل کو آہنی سلاخوں کے پیچھے بھیجنے میں کامیاب ہوجاؤں گا..... ان شاء اللہ!''

''میں تو ہر قسم کے تعاون کے لیے تیار ہوں جناب!'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ''آپ بس حکم کریں۔''

''تم سے زیادہ مجھے مونا کا تعاون درکار ہے اکرام اللہ!'' میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر معنی خیز انداز میں کہا۔ ''وہ تمہاری بہ نسبت زیادہ آسانی سے مجھے قاتل تک پہنچا سکتی ہے۔''

''یہ..... یہ آپ..... کیا کہہ رہے..... ہیں تھانیدار صاحب.....!'' وہ پھٹی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''مونا کا اس معاملے سے کیا واسطہ؟''

''صرف اسی کا تو واسطہ ہے اکرام اللہ!'' میں نے ایک ایک لفظ پر دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔ ''میں نے فی الوقت تمہارے گھر کو اسی لیے تھانہ بنایا ہے کہ میں نہیں چاہتا گاؤں میں تمہاری رسوائی ہو۔ اگر مونا نے اپنی زبان سے سچ نہ اگلا تو پھر مجھے مجبوراً اسے گرفتار کرکے اپنے ساتھ لے جانا ہوگا۔''

میرے اس انکشافی اور وحشت انگیز بیان پر اکرام اللہ کا چہرہ سیاہ پڑ گیا۔ فکرمندی اور پریشانی کے گھنے بادلوں نے اس کی صورت کو اپنے سیاہ حصار میں لے لیا تھا۔ اس کے حلق سے پھنسی پھنسی سی متوحش آواز برآمد ہوئی۔

''ایسی کون سی سچائی ہے تھانیدار صاحب جو مونا نے آپ سے چھپا رکھی ہے؟ خدا کے لیے مجھے بھی کچھ بتائیں۔''

''وقوعہ کی اگلی صبح میں تفتیش کرنے شفیق کے گھر پہنچا تھا اور میں نے تنہائی میں مونا کا بھی بیان قلمبند کیا تھا۔'' میں نے نہایت ہی مختصر الفاظ میں مونا سے ہونے والی بات چیت کو اکرام اللہ کے گوش گزار کرنے کے بعد کہا۔ ''ابھی مونا آجائے تو میں تمہاری موجودگی ہی میں اس سے پوچھ تاچھ کروں گا پھر ساری حقیقت تم پر واضح ہوجائے گی۔ فی الحال اتنا جان لو کہ تمہاری بیٹی نے مجھے بے وقوف بنانے کے لیے کئی ایک خطرناک جھوٹ بولے ہیں جو کہ سنگین جرم کے زمرے میں آتے ہیں۔''

اس کی پریشانی میں کئی گنا اضافہ ہوگیا۔ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔ ''پتا نہیں، اس نے آپ سے غلط بیانی کیوں کی؟ میں تو اسے ایسا نہیں سمجھتا۔''

''اولاد جب جوان ہوجائے تو وہ ویسی نہیں رہتی جیسا والدین ان کے بارے میں سوچ رہے ہوتے ہیں۔'' میں نے بدستور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''خصوصاً بیٹیوں کے حوالے سے تو ان کے ذہن میں یہی ہوتا ہے کہ وہ اب بھی چار پانچ سال کی معصوم سی گڑیا ہی ہیں۔''

''یہ تو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں تھانیدار صاحب!'' وہ تھکی تھکی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''لیکن میں محسوس کررہا ہوں کہ آپ مونا کے حوالے سے مجھے کوئی خاص بات سمجھانے کی کوشش کررہے ہیں۔''

''تمہارے محسوسات غلط نہیں ہیں اکرام اللہ!'' میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ''ہوسکتا ہے کہ کوئی جن مونا پر عاشق نہ ہو بلکہ مونا خود کسی سے محبت کر بیٹھی ہو۔ یہ ناممکن تو نہیں ہے؟''

''ناممکن تو نہیں تھانیدار صاحب!'' وہ تشویش بھرے لہجے میں بولا۔ ''لیکن میں مونا کے کسی ایسے معاملے سے واقف نہیں۔ نہ ہی مرحوم شاہدہ نے کبھی مجھ سے ایسا کوئی ذکر کیا۔ جب سے مونا کے عاشق جن والی کہانی فیض نگر میں پھیلی ہے، کوئی میری بیٹی سے شادی کرنے کو تیار نہیں۔ میں نے منت سماجت کے بعد شفیق کو اس رشتے کے لیے راضی کیا تھا۔ اس کی مہربانی کہ وہ اپنی بیوی کی مخالفت کے باوجود بھی مونا اور تھیلا کی شادی کے لیے مان گیا تھا۔ میں اس کا یہ احسان زندگی بھر یاد رکھوں گا۔ باقی جہاں تک مونا کی کسی سے محبت وغیرہ کا معاملہ ہے تو عجیب مجھے نہیں لگتا کہ کوئی لڑکا عاشق جن والی کہانی کے بعد مونا کے نزدیک آنے کی ہمت کرسکے اور تھیلا کی پراسرار موت کے بعد تو اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھانیدار صاحب! کوئی مرد بھلا اپنی گردن کا منکا تڑوانے کا خطرہ مول کیوں لے گا؟''

''چیزیں عموماً جیسی نظر آتی ہیں، درحقیقت ویسی ہوتی نہیں ہیں اکرام اللہ!'' میں نے گمبھیر انداز میں کہا۔ ''میرے خیال میں تھیلا کی موت کو پراسرار بنانے میں مونا نے اہم کردار ادا کیا ہے۔''

''آپ ادھر ہی بیٹھیں جی۔ میں اس نالائق کو ڈھونڈ

کرلاتا ہوں۔'' وہ برہمی بھرے جوش میں بولا۔ ''پھر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہوجائے گا۔''

میرے اندر سے ایک آواز آئی جو کہ خالصتاً تھانیدارانہ سوچ تھی۔ ''مجھے اکرام اللہ کو گھر سے باہر جانے کی اجازت نہیں دینا چاہیے۔ یہ لاکھ ایک اچھا انسان سہی مگر اس کے ساتھ ہی یہ ایک محبت کرنے والا باپ بھی ہے۔ اگر اس نے پگھلے ہوئے دل کے ساتھ مونا کو گھر میں پولیس کی آمد کے بارے میں بتادیا تو وہ چوکنا ہوسکتی ہے۔ اس کے بعد عین ممکن ہے کہ میں اس کی زبان سے وہ کچھ نہ اگلوا سکوں جس کا ارادہ باندھ کر میں نے اپنے تھانے سے فیض نگر تک تانگے میں بیٹھ کر تین میل تک کچے کا تکلیف دہ سفر کیا تھا۔'' یہاں ''زبان سے اگلوانے'' سے میری مراد نرمی سے پوچھ تاچھ ہے ورنہ جہاں تک ٹرائل روم میں لے جاکر تفتیش کرنے کا معاملہ ہے تو وہاں خطرناک مجرموں کی زبان بھی پانی کی طرح رواں ہوجاتی ہے۔

''نہیں اکرام اللہ! مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔'' میں نے عام سے لہجے میں کہا۔ ''میرا آج کا پورا دن موضع فیض نگر کے نام ہے۔ مونا کو خود ہی آنے دو پھر بات کرتے ہیں آرام سے.....''

ادھر میں نے جملہ مکمل کیا، ادھر دروازے پر دستک ہوئی۔ اکرام اللہ نے چونک کر بیرونی دروازے کی جانب دیکھا۔ میں نے ایک جھٹکے سے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ''تم ادھر ہی بیٹھو، میں جاکر دیکھتا ہوں۔''

اکرام اللہ نے میری بات کے جواب میں کچھ نہ کہا۔ میں نے صحن عبور کرنے کے بعد بیرونی دروازہ کھولا تو اپنے سامنے یاسر اور لطیف مغل کو کھڑے پایا۔ میں نے ان کے عقب میں جھانکنے کے بعد کہا۔

''کیا بات ہے، تم لوگ خالی ہاتھ ہی لوٹ آئے؟ بھولا پہلوان کہاں ہے؟''

''بھولا دو دن پہلے کسی دنگل میں حصہ لینے شیخوپورہ گیا ہے ملک صاحب!'' یاسر نے بتایا۔ ''ادھر شیخوپورہ میں اس کی پھوپی رہتی ہے۔ وہ اپنی پھوپی کنیز کے گھر ہی میں ٹھہرے گا۔''

''اس کی واپسی کب تک ہے؟''

''بھولا کے گھر والوں نے بتایا ہے کہ وہ ایک ہفتے کے بعد لوٹے گا۔'' یاسر نے کہا۔ ''اور اس سے زیادہ دن بھی لگ سکتے ہیں۔''

''اتنا وقت نہیں ہے ہمارے پاس۔'' میں نے اضطراری انداز میں کہا۔ ''تم نے بھولا کے گھر والوں سے شیخوپورہ والی پھوپی کا ایڈریس لیا ہے؟''

''جی بالکل لے لیا ہے۔'' یاسر نے بتایا۔ ''بھولا کی کنیز پھوپی شیخوپورہ کے بس اسٹینڈ کے نزدیک ہی رہتی ہے۔ میرا کئی بار شیخوپورہ جانا ہوا ہے۔ میں بہ آسانی اس کے گھر پہنچ سکتا ہوں۔''

''ٹھیک ہوگیا۔'' میں نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ ''تم لوگ فی الفور تھانے پہنچو اور تم حوالدار فضل داد کو اپنے ساتھ لے کر فوراً شیخوپورہ روانہ ہوجانا۔ میں آج کی تاریخ میں بھولا پہلوان کی گرفتاری چاہتا ہوں۔ جب تیس اکتوبر کا سورج طلوع ہو تو بھولا کو ہمارے تھانے کی حوالات میں ہونا چاہیے۔ امید ہے، تم میری بات سمجھ گئے ہوگے؟''

''چنگی طراں سمجھ گیا ملک صاحب!'' وہ پُرجوش انداز میں بولا۔ ''جمعرات، بھری مراد!''

اس کا اشارہ تیس اکتوبر والی جمعرات کی جانب تھا۔ میں نے کہا۔ ''بس، اب ایک منٹ ضائع نہیں کرو اور فوراً روانہ ہوجاؤ۔''

''اپنے سپاہی کو تو آپ نے شیخوپورہ بھیجنے کا پروگرام دے دیا ہے۔'' لطیف مغل نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا میں تھانے میں رک کر آپ کی واپسی کا انتظار کروں۔''

''انتظار تو تمہیں کرنا ہی پڑے گا چاچا!'' میں نے روکھے لہجے میں کہا۔ ''لیکن تھانے میں بیٹھ کر نہیں بلکہ اپنے گھر جاکر۔ تم سے کل صبح تفصیلی بات ہوگی۔ بھولا میرے قابو میں آجائے تو اس کے پاؤں کا کھرا تم سے چیک کرانا ہے۔ اس کے بعد میں تمہارا حساب بے باق کردوں گا۔''

''چلیں جی..... ایک دن اور صبر کرلیتا ہوں۔'' وہ خفگی بھرے لہجے میں بولا۔ ''آپ اس علاقے کے مائی باپ ہیں۔ میں آپ سے زور زبردستی تو کر نہیں سکتا۔''

یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگی کہ ہمارے پاس کھوجی اور مخبر وغیرہ کا کوئی باقاعدہ بجٹ نہیں ہوتا۔ ان لوگوں کو تھانہ انچارج اپنی جیب خاص سے ادائیگی کرتا ہے۔ بہرحال، اس قسم کے کردار کسی بھی کیس کو حل کرنے میں کافی مفید ثابت ہوتے ہیں۔ اس لیے انہیں معاوضہ دینے کے ساتھ ہی اس قبیل کی الٹی سیدھی باتیں بھی برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ وہی بات کہ..... دودھ دینے والی گائے کی لات تو کھانا ہی پڑتی ہے.....!

☆☆☆

وہ انتیس اکتوبر کی ایک خوشگوار سہ پہر تھی۔ موضع فیض نگر کے ایک وسنیک اکرام اللہ کے گھر کے ایک کمرے میں اس وقت تین افراد موجود تھے۔ یعنی میں، مونا اور اس کا باپ اکرام اللہ۔ مونا سہمی ہوئی نظر سے مجھے تک رہی تھی۔ میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا۔

''مونا! میں نے تم پر واضح کر دیا تھا نا کہ اگر تمہارے بیان کی ایک بھی بات غلط نکلی تو میں تمہارے تعاقب میں فرید آباد سے ہوتے ہوئے فیض نگر پہنچ جاؤں گا اور دیکھ لو، میں اس وقت تمہارے گھر کے اندر موجود ہوں۔''

''مم..... میرا کوئی قصور نہیں.....'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں بولنا شروع کیا ہی تھا کہ میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے منع کر دیا۔

''میں جانتا ہوں، تم نے تھیلا کو قتل نہیں کیا۔'' میں نے اس کے چہرے پر نگاہ گاڑ کر معتدل انداز میں کہا۔ ''مگر تم نے مجھے سراسر ایک جھوٹی کہانی سنائی تھی۔ میں نے اپنی محنت اور تجربے سے یہ معلوم کر لیا ہے کہ تھیلا کو تمہارے عاشق جن نے نہیں بلکہ ایک انسان نے گردن توڑ کر موت کے گھاٹ اتارا تھا اور وہ بھی تمہاری آنکھوں کے سامنے اور اس گھناؤنے فعل میں تم نے بھی قاتل کی بھرپور مدد کی تھی۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا نا.....؟''

اس نے اثبات میں جواب دیا اور نہ ہی انکار میں کچھ کہا۔ بس خوفزدہ نظر سے کبھی مجھے اور کبھی اپنے باپ کو دیکھتی چلی گئی۔

''مونا! تمہارا باپ ایک معقول اور عزت دار انسان ہے۔ میں اسی کی وجہ سے تمہارے ساتھ نرمی کا برتاؤ کر رہا ہوں۔'' میں نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ ''اگر تم نے مجھے سب سچ بتا دیا تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں گرفتار کروں گا اور نہ ہی تمہارے خلاف کوئی مقدمہ بناؤں گا۔ یہ تمہارے اپنے بچاؤ کا آخری موقع ہے اور یہ موقع میں تمہیں اکرام اللہ کی شرافت کے صدقے دے رہا ہوں ورنہ اس کیس کی حقیقت کیا ہے، وہ پوری طرح مجھ پر عیاں ہو چکی ہے لیکن میں تمہاری زبان سے سچ سننا چاہتا ہوں۔ ویسے میں نے بھولا پہلوان کی گرفتاری کے لیے ایک پولیس پارٹی شیخوپورہ روانہ کر دی ہے۔ وہ آج رات کسی وقت میرے تھانے کی حوالات میں ہوگا۔''

میرے آخری الفاظ نے مونا کے چہرے پر زلزلے کے آثار پیدا کر دیے۔ اس نے ایک خوف سے لبریز جھرجھری لی اور یکایک بلک بلک کر رونا شروع کر دیا۔ حقیقتِ حالات کا احساس ہوتے ہی وہ اندر باہر سے ٹوٹ گئی تھی۔ میں نے فرید آباد میں بھی اسے روتے دیکھا تھا۔ تب شفیق اور زرینہ کی مدد سے میں نے اسے بمشکل چپ کرایا تھا۔ یہاں اس کے آنسو پونچھنے اور تسلی دلاسا دینے کے لیے اس کا سگا باپ موجود تھا چنانچہ اسے سنبھالنا زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوا۔ دس سے پندرہ منٹ کے اندر وہ بیان دینے کے قابل ہو گئی..... سولہ آنے سچا اور کھرا بیان۔

اب کی بار مونا نے مجھے جو کہانی سنائی، وہ میری اب تک کی تفتیش سے لگا کھاتی تھی تاہم اسے فیصلہ کن اور نتیجہ خیز بنانے کے لیے بھولا پہلوان کا میری گرفت میں آنا بہت ضروری تھا اور اس مقصد کے لیے مجھے تھوڑا انتظار کرنا تھا۔

''جب تک میں اس کیس کو حل نہیں کر لیتا، مونا اس گھر کے اندر نظر بند رہے گی۔'' میں نے اکرام اللہ کی طرف دیکھتے ہوئے دوٹوک انداز میں کہا۔ ''چاہے کتنا بھی ضروری کام کیوں نہ ہو، یہ گھر سے باہر قدم نہیں رکھے گی اور نہ ہی ملنے کوئی گھر میں آئے گا۔ کم از کم آئندہ چوبیس گھنٹے کے لیے یہ پابندی لازمی ہے۔ کیا تم ایسا کر لو گے؟''

''جی، میں کر لوں گا۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولا۔ ''آپ نے میری عزت کے تحفظ کی خاطر اتنی نرمی برتی ہے۔ میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر یاد رکھوں گا تھانیدار صاحب!''

''اور تم کیا کہتی ہو؟'' میں نے مونا کی طرف دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔ ''اپنے باپ کے لیے کوئی مشکل تو کھڑی نہیں کرو گی؟ اگر ایسا کوئی ارادہ ہے تو ابھی بتا دو۔ میں تمہیں گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے جاتا ہوں۔''

وہ شدت سے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔

''مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ آپ نے جیسا کہا ہے، میں اس پر عمل کروں گی۔''

''یہ اچھی بات ہے کہ تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اور یہی احساس دلانے کے لیے میں نے تمہارے ساتھ سختی نہیں اپنائی۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ ایک شاطر شخص نے تمہاری سادگی اور معصومیت کا فائدہ اٹھانے کے لیے یہ گھٹیا چال چلی تھی۔ بہرحال.....'' میں نے لمحاتی توقف کر کے ایک آسودہ سانس لی پھر ان الفاظ میں اضافہ کر دیا۔

''تم لوگوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں سارے معاملات کو سنبھال لوں گا۔ تم نے قانون سے تعاون کیا ہے۔ تمہاری حفاظت اب میری ذمے داری ہے۔''

وہ باپ بیٹی تشکرانہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگے۔

☆☆☆

کانسٹیبل یاسر کی بات بالکل درست ثابت ہوئی تھی۔ اس کیس کے لیے جمعرات واقعتاً بھری مراد بن گئی تھی۔ گزشتہ رات کے دوسرے حصے میں بھولا پہلوان کو شیخوپورہ سے گرفتار کر کے میرے تھانے کی حوالات میں پہنچا دیا گیا تھا۔ رات کے باقی حصے میں حوالدار فضل داد نے بھولا کے ساتھ ایسا ''دنگل'' کھیلا تھا کہ اس کی ساری شہ زوری ناک، منہ اور پتا نہیں کون کون سے راستے..... نکل گئی تھی۔ جب جمعرات کی صبح تھانے پہنچا تو بھولا کی حالت کسی کچوے سے بھی زیادہ حقیر اور بے توقیر ہو چکی تھی۔ یہ فضل داد کی مخصوص تفتیش کا اعجاز تھا جس کے سامنے بھولا پہلوان کا کوئی داؤ، کوئی پیترا کارگر نہیں ہو سکا تھا۔

مردلی زدہ نحیف و نزار آواز میں بھولا نے اپنا جو حلفیہ بیان قلمبند کروایا، وہ مونا کی سنائی ہوئی کہانی کی تصدیق کرتا تھا۔ مونا اور بھولا اپنی بے وقوفی میں ایک عیار اور چالاک شخص کے ہاتھوں کا کھلونا بن گئے تھے اور اس مکار شخص کا نام تھا، پیر وحید شاہ..... جس نے اپنی ہوس کاری کو زندہ و تابندہ رکھنے کے لیے ان دونوں کا استعمال کیا تھا۔

بھولا کو پیر صاحب نے یہ کہانی فٹ کی تھی کہ اگر وہ مونا کے پہلے شوہر کی گردن کا کڑاکا نکال کر اسے موت کے گھاٹ اتار دے تو مونا کا جن ہمیشہ کے لیے اس کی جان چھوڑ دے گا۔ بعد میں وہ مونا پر ایسا عمل کرے گا کہ وہ بھولا کی دیوانی ہو جائے گی۔ ایک پُرکشش اور حسین و جمیل لڑکی کے حصول کی خاطر بھولا پیر وحید شاہ کی بات ماننے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔

دوسری جانب اس نے مونا کو یقین دلایا تھا کہ اگر کوئی اس کے پہلے شوہر کو قتل کر دے تو عاشق جن سے سدا کے لیے اسے نجات مل جائے گی۔ مونا نے پوچھا، مگر یہ کام میرے بس کا تو نہیں۔ پیر صاحب نے کہا، میں اس کا بندوبست کر دوں گا۔ تم نے بس تعاون کرنا ہے۔ مونا ہر نوعیت کے تعاون کے لیے آمادہ ہو گئی۔ اس ''تعاون'' کے مطابق، نمبر ایک، جب کمرے کے کھیتوں کی طرف کھلنے والے دروازے پر دستک ہو تو اس نے پیر صاحب کے بھیجے ہوئے بندے کو کمرے میں بلا کر راتکے پلنگ کے نیچے چھپا دینا تھا پھر جب وہ تھیلا کی زندگی کا چراغ گل کر دے تو اس کے جانے کے بعد کمرے کے مذکورہ دروازے کو اندر سے کنڈی لگا کر ایک دلدوز چیخ مارنا تھی۔ بعد ازاں سب کو عاشق جن کے بھیانک انتقام کی کہانی سنا کر اس موت کو ایک بے خطا جن کے کھاتے میں چڑھا دینا تھا۔

پیر وحید شاہ نہیں چاہتا تھا کہ مونا کی کہیں شادی ہو۔ وہ اس خوبصورت معصوم لڑکی کو اپنے مکروہ عزائم کی تکمیل کے لیے مختص رکھنا چاہتا تھا۔ اس کی بُنی ہوئی سازش کامیابی سے ہمکنار ہونے ہی والی تھی کہ اس کی بدقسمتی نے مجھے اس کے علاقے میں تھانہ انچارج بنا کر بھیج دیا تھا۔

ایک بات کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ میں سچے بزرگانِ دین اور اولیائے کرام کا بے حد احترام کرتا ہوں مگر انسان کے لبادے میں چھپے ہوئے ہوسناک، خونخوار بھیڑیوں کو بے نقاب کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔

جمعرات، بھری مراد کی دوپہر میں نے ''آستانہ وحیدیہ'' پر چھاپہ مار کر قبلہ وحید شاہ صاحب کو گرفتار کر لیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کوئی اتنی آسانی سے اس پر ہاتھ ڈال سکتا ہے۔

پہلے تو وہ میری منت خوشامد کرنے لگا پھر دھمکیوں پر اتر آیا۔ اس نے مجھے شاہ جنات کی دھونس دی اور جلا کر بھسم کر دینے کا ڈراوا بھی دیا۔ میں نے اس کے گال پر زناٹے دار تھپڑ رسید کرنے کے بعد حقارت بھرے لہجے میں کہا۔

''او نکمی شاہ! تم پیر نہیں، مرید ہو اور وہ بھی ''مریدِ ہوس۔'' تمہاری اسی ہوا و ہوس نے ایک معصوم انسان کی جان لے لی ہے۔ تم کسی رورعایت کے لائق نہیں ہو۔''

وہ ایک مرتبہ پھر میری منت سماجت پر اتر آیا۔

''بکواس بند کرو ڈبا پیر!'' میں نے زہریلے انداز میں کہا۔ ''تم جیسے غلیظ اور جعلی لوگوں کے کالے کرتوتوں کی وجہ سے سفید پوش اللہ والوں کو بھی دنیا شک کی نظر سے دیکھنے لگتی ہے۔ تم نے ایک سنگین جرم کا ارتکاب کیا ہے اور وہ بھی میرے تھانے کی حدود میں۔ ویسے تو تمہیں عمر بھر جیل میں سڑانے کے لیے مونا اور بھولا کا حلفیہ بیان ہی کافی ہے لیکن تمہاری زبان سے اقبالِ جرم کروانے کے لیے میں تمہارے بدن میں ایک ایسے ناقابلِ اشاعت مقام پر ڈنڈا گھماؤں گا کہ تمہارے چودہ طبق یکا یک گل ہو جائیں گے اور ..... یہ کوئی خالی خولی دھمکی نہیں ہے، اے پلید انسان..... تمہیں تو انسان کہتے ہوئے بھی مجھے گھن محسوس ہو رہی ہے۔''

جب اس مریدِ ہوس کو اپنے بچاؤ کا کوئی راستہ دکھائی نہ دیا تو وہ پھٹی ہوئی وحشت زدہ آنکھوں سے مجھے تکنے لگا۔

(تحریر: حسام بٹ)